جلد 21 شمارہ 5 ماہ مئی 2019ء رمضان المبارک 1440ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیت

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

روزہ

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اسلام کی تمام عبادتوں میں صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کی نقل کرتا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ جل مجدہ خورد و نوش سے پاک ہے، اسی طرح روزہ دار بھی رمضان کے دنوں میں صبح سے شام تک نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت پر کچھ دیر کے لئے عمل کرتا ہے۔ اگر روزہ دار اس نکتہ کو ملحوظ رکھے تو اللہ تعالیٰ دن بھر اس کو یاد رہے گا اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے، اس سے روزہ کو چار چاند لگ جائیں گے۔

2۔ پاکیزگی اور طہارت روزے میں لازمی ہے۔ روزے میں نہ صرف جسمانی بلکہ قلبی پاکیزگی بھی بہت ضروری ہے۔ مہینہ بھر قلب کو پاکیزہ اور گندے خیالات سے بچائے رکھنے سے اس قدر روحانی لطافت اور طاقت پیدا ہوتی ہے جو برسوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔

3۔ صبر و تحمل اور قوت برداشت پیدا کرنے کی بڑی مشق ہوتی ہے جو اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کیلئے سب سے ضروری ہے، مگر افسوس کہ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ روزے میں مسلمانوں کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور اس کے گھناؤنے مظاہر ہر گھر میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایسے روزے سے کیا فائدہ؟ روزے میں تو غصہ بالکل مر جانا چاہئے، مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ روزے میں اللہ یاد رہو۔

4۔بھوک پیاس کو روکنے یعنی باوجود بھوک پیاس کے کچھ نہ کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں کونفی کرنے سے قوت ارادی بہت بڑھ جاتی ہےاور یہ چیز بھی اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

5۔نماز کی طرح روزہ بھی ادائیگی فرض کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ خواہ کتنی تکلیف اور مشقت آن پڑے فرض کو پورا کر کے دم لو۔

6۔غریبوں کی بھوک پیاس اور فاقہ زدگی کا احساس اوران کی مدد اور خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو تنظیم وارتباط ملت کے لئے بہت ضروری ہے۔

7۔گردوپیش کے تمام مسلمانوں کو روزے سے دیکھ کرنادانستہ طور پر یک جہتی اور اجتماعیت کی روح ترقی کرتی ہے۔

8۔دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہوئے جب انسان اپنے روزمرہ کے کام انجام دیتا رہتا ہے مثلاً کوئی دفتر میں کام کرتا ہے،کوئی کارخانے میں،کوئی ہل چلاتا ہے،کوئی پتھر توڑتا ہے تو اس سے مشکلات میں رہتے ہوئے بھی عمل کرنے کی بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے۔

9۔رمضان کے بعد عید کے دن جب سب مسلمان نماز کے لئے جمع ہو کر خوشی مناتے اور بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں تو اس سے نہ صرف آپس کی محبت واخوت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی صحیح قدر بھی ذہن نشین ہوتی ہے۔

10۔ماہِ رمضان کا مجاہدہ یہ سکھاتا ہے کہ اگر تم زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یعنی دنیاوی راحت وآسائش حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاؤ،نفسانی خواہشوں پر

قابو حاصل کرو، اخوت ومحبت سے رہو،صبر یعنی برداشت کی قوت پیدا کرو اوراللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے برابر عمل کرتے چلے جاؤ۔آخر میں تم دیکھو گے کہ تمہارا ہر روز روزِعید ہے اور ہر شب،شب برات۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں نمازیوں کی نسبت روزہ دار بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اوباش اور عیاش بلکہ چور اور ڈاکو تک رمضان کے مہینے میں پکے روزہ دار بلکہ پرہیزگار بن جاتے ہیں،لیکن ادھر رمضان ختم ہوا ادھر سب برائیاں اسی طرح موجود۔یہ کیا بات ہے؟ کیوں ان لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی؟اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دراصل ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل نہیں،یعنی عقائد کی بنیاد کمزور ہے تو باقی عمارت کس طرح مضبوط ہوسکتی ہے۔روزے کے دوران بلکہ تمام رمضان میں شاید ہی صحیح طور پر کسی کو احساس ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے،یہی وجہ ہے کہ بجائے صبر وتحمل اور قوت برداشت کے عام طور پر روزہ داروں میں گھبراہٹ، چڑچڑاپن اور غصہ بہت زیادہ پیدا ہوجاتا ہے۔چنانچہ رمضان میں سینکڑوں مرتبہ یہ فقرہ سننے میں آتا ہے کہ''اس سے نہ بولنا اس کو روزہ لگ رہا ہے''یا'' اس پر اس وقت روزہ سوار ہے''وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو!خدا کے لئے اتنا تو سوچو کہ عبادت کرتے بھی ہو،تکلیف اٹھاتے بھی ہو لیکن وہ مقصد حاصل نہیں کرتے جس کے لئے یہ سب کچھ فرض کیا گیا ہے۔خدارا! ذرا کوشش کرو،اپنی عبادتوں کو صحیح طور پر انجام دو تا کہ انفراداً اور اجتماعاً دونوں طرح دین اور دنیا میں سرخرو اور کامران ہوجاؤ۔

روزے روز، روز نہیں آتے (قندمقرر)

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

جب تک زندگی کا مقصود اور اسلام کی حقیقت معلوم نہ ہو تقوٰی کی اہمیت سمجھ میں آ سکتی ہے نہ ہی رمضان المبارک کی۔اللہ تعالٰی نے انسان کو اپنی محبت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا۔حیات ارضی کے دوران اس کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا اور متاع حیات کی محبت میں نہ پھنسے بلکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالٰی سے کرے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے۔دین اسلام کی فرض عبادات کا مقصود اہل ایمان میں یہی جذبہ پیدا کرنا اور اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچانا ہے۔ یہی تقوٰی کی حقیقی روح ہے کہ انسان اللہ تعالٰی کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا کی محبت اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچتا ہوا اللہ کی محبت کو بڑھاتا چلا جائے اور مرتبہ احسان تک پہنچ کر اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔یہ تقوٰی ہی کا کمال ہے جو مومن کو متاع غرور سے بے نیاز کر کے ایمان کی معراج تک پہنچا دیتا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔اسی طرح اللہ کی محبت تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع ہے۔قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالٰی سے شدید محبت کرتے ہیں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ آخرت ان متقین کے لئے ہے جو دنیا میں ظلم و ستم اور جبر کے ذریعے بڑائی کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ اس کے عاجز بندے اور اس کی مخلوق کے بے لوث خادم بن کر زندہ رہتے ہیں

قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کی ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ متقین سے محبت کرتا ہے ۔اہل تقویٰ کی شان کے برعکس یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی صلاحیتیں صرف دنیا کے حصول میں صرف کرڈالیں یعنی تقویٰ کی راہ اختیار ہی نہ کی ۔اہل ایمان کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ مال و اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے۔جو بھی ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کے شروع میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی اور ہدایت انہی لوگوں کو عطا ہوگی جو تقویٰ والی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کے خواہاں ہوں گے۔اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسان کیلئے ہی پیدا فرمائی ہیں تا کہ وہ انہیں کام میں لائے اور اپنے رب کے احسانات تسلیم کر کے اس کی شکر گزاری کا رویہ اپنائے اور اس کی محبت کی راہ میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے ۔تقویٰ کا تقاضا بس یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت میں پھنس کر اللہ کو نہ بھولے۔حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر ایک صحابی نے تقویٰ کی صفت کے اظہار کیلئے ایک نہایت بلیغ مثال بیان فرمائی ۔آپ نے فرمایا کہ جس طرح خاردار جھاڑیوں کے درمیان واقع کسی راستہ پر چلتے ہوئے انسان اپنی چادر کو سمیٹ کر چلتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں اُلجھ جانے سے پھٹ جائے اور وقت بھی ضائع ہو۔یہی تقویٰ کی مثال ہے۔یوں سمجھ لیں کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت اوڑھ کر ایک بھاری امانت قبول کر لی جس کے اُٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑ عاجز آ گئے تھے۔اب کامیاب انسان وہی ٹھہرے گا جو اس خارزار حیات میں اللہ کی محبت کی چادر کو صحیح و سالم اور بے داغ لے کر گزر جائے ۔یہ کٹھن منزل صرف تقویٰ کے بل بوتے پر ہی طے کی جا سکتی ہے۔اب آپ غور فرمائیں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان! گزشتہ اُمتوں کی طرح تم پر بھی روزے لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ تم تقویٰ حاصل کرسکو۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ تقویٰ کے حصول کیلئے روزہ ہی بہترین، لازمی اور یقینی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہر دور کے انسانوں کی تربیت کیلئے اسے فرض قرار دیا گیا۔

تقویٰ کے دو جزو ہیں پہلا ماسواء اللہ کے کانٹوں سے اپنا دامن بچانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔تقویٰ کی تقویت کیلئے سالانہ روزوں کے تربیتی کورس میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ایک طرف پورا دن بھوکا پیاسا رکھنے کا اہتمام ہے تا کہ اہل ایمان کھانے، پینے اور جنسی جبلتوں کو ترک کرکے یہ ثابت کردیں کہ ہم اپنے محبوب حقیقی کی رضا کیلئے سب کچھ قربان کرسکتے ہیں۔ان حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکنے کی مشق سے غرض و غایت یہ ہے کہ تقویٰ کا وہ ملکہ حاصل کیا جائے جس کی مدد سے ہر اس چیز سے بچا جا سکے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کا روزہ ہے اور جس نے جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔گویا ماکولات ومشروبات سے رُکنے کی مشق کا اصل مقصد اپنے سرکش نفس کو لگام ڈالنا اور منکرات سے باز رہنا ہے۔یہی امر صوم یعنی روزے کی بنیادی حقیقت ہے کیونکہ صوم کے لفظی معنی کسی چیز سے باز رہنا یا رُک جانا ہے۔دوسری عبادات میں کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں لیکن روزے میں ان کے برعکس اپنے آپ کو چند کاموں سے روک کر رکھنا ہوتا ہے۔ یہ سیلف کنٹرول یعنی ضبطِ نفس کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کے اس پہلو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے نماز تراویح، نوافل، مالی صدقات اور قرآن کریم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ سحری کے وقت بیدار ہو کر نماز تہجد کی خصوصی برکات حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تمام دنیوی سرگرمیاں قطع کر کے اللہ کے گھروں میں معتکف ہو جانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹ لی جائے۔ دین اسلام کے اس سالانہ روحانی تربیتی نظام سے اگر کما حقہ استفادہ کیا جائے تو دوسرے کسی چلے اور مجاہدے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم کے نزول والے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیشہ کیلئے خصوصی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ بنا دیا ہے۔ اس ماہ کی نفلی عبادت سے فرضوں کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور فرائض کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کا ظاہری ثبوت تو اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کی جوش و خروش کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ملی ہوئی اس روحانی سہولت سے حقیقی فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دور کر لیں تاکہ اللہ کا مزید قرب حاصل کر سکیں۔ اگر ہم سچے دل سے سدھرنے کا ارادہ کر لیں تو اس ماہ کی برکت سے باہر سے کوئی شیطانی طاقت ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ لیکن اگر ہمارا اپنا ارادہ ہی یہ ہو کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس کی مشقت کے بعد عید کے روز اپنی گزشتہ روش کی طرف لوٹ جانا ہے پھر تو معاملہ کی نوعیت ہی مختلف ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ انہی کی مدد فرماتے ہیں جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ وہ ہماری حالت کو صرف اِسی صورت میں بدلتے ہیں جب ہم خود اپنے نفسوں کو بدلنے کیلئے کمر بستہ ہو جائیں۔

اگر ہمیں اللہ کی محبت کی فکر ہو، میدان حشر میں اس کے سامنے پیشی کی فکر ہو، اسکی رضا و رحمت اور جنت کی سچی طلب ہو تو سب مہینوں کا یہ سردار مہینہ اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت ہے۔

جو رحمتیں رمضان شریف میں نازل ہوتی ہیں وہ دوسرے مہینوں میں بھلا کہاں نصیب ہو سکتی ہیں۔ رمضان المبارک کے روزوں کی برکتوں کا مقابلہ پورے سال کے روزے بھی نہیں کر سکتے۔ایسے روزے روز روز نہیں آتے۔یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور عفوو درگزر کے لئے التجائیں کرنے کا ہے۔اس لئے ہمیں چاہئے کہ پوری ہمت صرف کردیں۔قلت طعام ومنام کی مشق کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر، کثرت تلاوت قرآن، کثرت درود شریف، کثرت صدقات کریں اور سرکشی کی روش ترک کردیں اور ہمارے اندر صراط مستقیم پر چلنے،اخلاق کا تزکیہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر قوی اور بلند ہو جائے کہ سال بھر کیلئے کافی ہو جائے۔

ہر کورس اور تربیتی مشق کا اصل ہدف انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم عید کے دن اپنے قلب ونفس کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہمارے اندر تقویٰ کی مطلوبہ قوت پیدا ہوگئی ہے۔اگر جواب اثبات میں ہوتو اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ مہینہ بھر کی محنت کا یہ ثمر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔یہی اصل عید اور عید کا حقیقی پیغام ہے کہ ماہ شوال کا چاند ہمیں ایک بدلا ہوا انسان پائے۔

نقوشِ مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ فرمانے لگے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ٥

" اپنے ربّ کے نام (اللہ) کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اس کے ہو جاؤ"۔

ہمارے بابا جیؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) اللہ ان کے درجات بلند کرے، انہوں نے کہا کہ یہی وہ Method ہے۔ چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کو ویسے چھوڑو۔ قلبی طور پر چھوڑنا ہے۔ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا . سب کچھ چھوڑ کے! مطلب ہے، قلبی طور پر اس کے ہو جاؤ۔ یہ نہیں ہے کہ اس کو چھوڑ کے بھاگ جاؤ۔ یہاں اس کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لئے آپ تسلیم و رضا پہ آجائیں۔ ہر حال میں خوش رہنا سیکھیں اور وہ ذکر کریں۔ اس طرح سوچنا ہے۔ اس کو چھوڑنے کا مطلب ہے کہ ایسا یہاں ادھر ہی رہتے ہوئے ہونا چاہئے۔ اگر یہ ہر انسان کا مقصد ہی ہے تو یہیں اسے مل جانا چاہئے۔

انسانیت مر رہی ہے، باہر زلزلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بدھ مت میں چلی گئی کوئی عیسائی راہبوں کے پاس جائے علاج کے لئے تو انہوں نے کہنا ہے کہ نہیں بیٹے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے، ہم درویش آدمی ہیں، ہم دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوگا کہ یہ کیا درویشی ہے کہ باہر دنیا مر رہی ہے۔ اس کے لئے ہم علاج اور Treatment چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کو طلاق دے دی ہے۔ دنیا چھوڑ دی ہے۔ یہ جواب ان کو برداشت نہیں ہوتا۔

یہ ان کے ذہن کے مطابق ٹیلی (Telly) نہیں کرتا کہ یہ کیسا مذہب ہے۔ وہ تو انسان کی خدمت کو بڑا Serious لیتے ہیں۔ اس لئے انسانی حقوق اتنے زیادہ ہیں بلکہ حد سے زیادہ بڑھا دیے ہیں۔ ان کی سوچیں جو ہیں وہ ایسی ہوتی ہوں گی۔ یہ توحید جو ہے کہ ایک اور تین۔ اور خدا نے اپنے بیٹے کو پھانسی چڑھادیا، اپنے اکلوتے بیٹے کو۔ گناہ میرے ہیں اور اس نے پھانسی اپنے بیٹے کو چڑھادیا ہے۔ یہ کون سا تک ہے اور یہ کونسا نظریہ حیات ہے؟

جیسے ہی قرآن سے ان کا رابطہ ہوتا ہے اور ان کی ساری الجھنیں جو ہیں، قرآن ان کو واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک ہی خدا ہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ۔ ''اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں''۔ زمین و آسمان یہ سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۔ ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ وہ اکیلا ہی ہے۔ سورۃ اخلاص جس میں ہے کہ ''وہ اللہ احد ہے''۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۔ دنیا کی ہر چیز جوڑا ہے۔ صرف وہی احد ہے، ایک!! ۔ جو اکلوتا ہے یا ایسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا۔ نہ اس کے برابر ہی کوئی ہے کہ کوئی ہم سر ہو۔ وہ Pure اخلاص جو توحید کا ہے وہ بتا دیا۔

جو خدا کا تصور اسلام نے دیا ہے، ان کو یہ بڑا اپیل کرتا ہے کہ اسی کی جستجو میں ہم بدھ مت میں گئے، کرسچن بنے، اور ہندو مت میں گئے۔ اسلام کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا ایڑ ہے کیونکہ ہمارا سارا لٹریچر اور ٹی وی جو ہے وہ اسلام کے خلاف ہی ہے۔ پھر قرآن سے رابطہ ہوا۔ مسلمان Students سے مل کے آئے۔ عورتیں ملیں کہیں تو انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بڑے نفیس قسم کے لوگ ہیں۔ ہمیں بتاتے ہیں کہ مسلمان بڑے وحشی اور جانور ہیں۔ یونیورسٹی میں گئے، بڑے مؤدب قسم کے نظر آئے۔ بالکل ہمارے گوروں کی طرح۔ ہوس نام کی چیز نہیں، وہ ہماری طرف دیکھتے ہی نہیں۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہمارا تو مذہب ہی یہ ہے۔ اپنی بیوی کے سوا کسی کو دیکھنا اچھا نہیں۔ نہ عورت کے لئے، نہ ہی مرد کے لئے۔ پھر ان سے آہستہ آہستہ Questioning کی۔ مطلب!! ان کو تجسس اسی میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے؛

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوُرِ. (سورۃالبقرۃ۲۔آیت ۲۵۷)
''انسانوں کوظلم سے نکال کرنور کی طرف آپ لائیں''۔ قرآن کے ذریعے۔قرآن کا بھی کہا کہ یہ بھی ایسے ہی ہے کہ یہ اندھیروں سے نکال کر اُجالوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم اپنے اندھیرے کومحسوس ہی نہیں کرتے کہ ہم کہاں پڑے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ایسا ہی ہے۔ مولانا مرتضیٰ ملک مرحوم جوفرمایا کرتے تھے کہ

" Muslim by choice and muslim by chance".

ہم By chance مسلم ہیں۔مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے اور ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں اس کی خوبیوں کا پتا نہیں ہے۔دوسرے مذاہب میں کیا خرابیاں ہیں،اس کا بھی پتا نہیں ہے وہ By choice مسلم ہیں،جنہوں نے ڈھونڈا اور پھر مسلمان ہوئے۔انہوں نے Adopt کرلیا۔وہ پردہ اور سکارف سب کچھ کیا۔جو مرضی ہوتا رہا،انہوں نے اس کونہیں چھوڑا۔

ایسے ہی ایک مریم جمیلہ تھی۔وہ American jew تھی۔اس کا باپ بھی انہیں میں سے تھا۔وہاں سے اس نے مولانا مودودیؒ سے Correspondence کی۔وہ بھی کتاب چھپی ہوئی ہے۔پھر وہ پاکستان ہی آگئی۔ادھر ہی مولاناؒ نے اسے اپنے گھر میں رکھا۔ بیٹیوں کے طور پر اس کی تربیت کی۔اس نے باقاعدہ با پردہ لباس اختیار کیا۔اس نے ان کے گھر ہی اسلامی ادب آداب سیکھے۔مولانا نے پھر اس کی شادی بھی پروفیسر سے کرا دی۔ شاید ڈاکٹر یوسف صاحب۔اس کی پہلے شادی ہوئی ہوئی تھی ، اس کے بچے بھی تھے۔ She accepted to marry. انہوں نے اس کے ساتھ اس کی شادی بھی کرا دی۔ پھر اس نے بڑی موٹی موٹی کتابیں لکھیں۔ Western civilization condemn itself. موٹی ساری کتاب ہے۔مغربی تہذیب میں خرابیاں کیا کیا ہیں،وہ کیوں ظہور پذیر ہو گئیں۔تب بھی وہ پچھتا رہے تھے،اب اور بھی زیادہ پچھتاوا ہے۔

اس کے ساتھ بھی لوگوں اور بعض عورتوں نے Correspondence کی۔

ان سے اس نے کہا کہ مسلمان ملکوں میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ادھر ہی رہیں۔یہاں بھی ایسا ہی حال ہے۔یہاں بھی مسلمان صحیح نہیں ہیں۔جیسے ہونے چاہئیں ویسے نہیں ہیں۔آپ ادھر ہی اپنے ملک میں رہیں اور جو پابندی اسلام نے دی ہے،اس کو Adopt کریں اور وہیں اس پر آگے بڑھیں۔یہاں بھی آکے خاص فائدہ نہیں ہے کہ مسلمان ملکوں میں آگئے ہیں۔اگر مسلمان صحیح چلیں،سمجھ لیں تو دنیا میں انقلاب آجائے۔

بہر حال جو اسلام کی تعلیم ہے،اس پر سب نے یہی لکھا کہ ہم پر کسی نے دباؤ نہیں ڈالا کہ آپ نے یہ لباس پہننا ہے۔یہ کلمہ پڑھنا ہے، یہ اور وہ۔ان کی Students کے ساتھ بات ہوتی تو وہ بتاتے گئے کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے۔اس کی مصلحت بھی بتائی کہ ایسا کیوں ہے۔یہ بھی بتایا کہ پردہ کیوں!!!۔جب یورپ میں پردے کا Concept نہیں ہے تو انہیں بڑا عجیب سا لگتا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ تو عورت پہ بڑا ظلم ہے۔مظلوم ہیں بیچاری یورپ کی عورتیں۔سردی کا ملک ہے،ٹھنڈ پڑتی ہے۔خود تھری پیس سوٹ،جرابیں اور سب کچھ پہنتے ہیں،اس کی ٹانگیں ننگی کر کے رکھی ہیں کہ ہماری ہوس جو ہے اس کو تسکین ملتی ہے۔تیرا یہ لباس ہے،تو وہ بے چاری مظلوم بن گئی ہے اور وہاں ان کی زندگی کا مقصد یہی رہ گیا ہے کہ عیاشی کرو۔جب تھوڑی بوڑھی ہو جاتی ہیں تو ان کو نہ کوئی نوکری دیتا ہے اور نہ ہی کوئی گھر میں رکھتا ہے۔وہ باہر بے چاری دھکے کھانے کے لئے رہ جاتی ہے۔یہاں آکر یہ مریم جو تھی اس نے دیکھا۔ایک اور لڑکی بھی تھی،اس نے بھی دیکھا۔اس نے مریم کو بھی دیکھا،یہاں آئی،اس کے گھر گئی۔بڑی مطمئن اور بڑی خوش تھی۔اس کی ستر یا اسی سال کی ساس تھی۔وہ اس کی بڑی خدمت کرتی تھی۔اس نے کہا کہ میں بڑی حیران ہوئی۔ہمارے ہاں تو بوڑھوں کو کہتے ہیں کہ جاؤ جی!''اولڈ ہاؤس''۔اولڈ ہاؤسز میں جا کے جمع کرا دو مائی بوڑھی کو۔یہاں کوئی پوچھتا نہیں ہے۔یہ انسانیت کی تذلیل ہے۔انہوں نے جنا،وہ ماں باپ ہیں۔انہوں نے پالا پوسا اور یہ انہیں وہاں جا کے پھینک آئے۔اس نے کہا کہ میں اس کو خدمت کرتا دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔

وہ گھر میں پڑھا بھی رہی تھی۔اس مریم نے کتابیں بھی لکھیں۔ماں باپ کی خدمت بھی کی۔میاں نے دوسری شادی کی تھی۔اس کے بچے بھی تھے،سب کچھ تھا۔وہ جو کہتے ہیں کہ یہ ظلم کرتے ہیں عورتوں پر تو اس نے کہا کہ یہاں دیکھو وہ عورتیں ہی سب خوشی سے کر رہی ہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ یورپ میں اگر پانچ لوگ Convert ہوتے ہیں تو ان میں چار عورتیں ہی ہوتی ہیں۔چار عورتیں مسلمان ہوتی ہیں،ایک مرد ہوتا ہے۔جرمنی میں تو کہیں لکھا تھا کہ کوئی بارہ ہزار عورتیں مسلمان ہوگئی ہیں،وہ حجاب بھی کرتی ہیں اور سب کچھ اسلامی انداز سے کرتی ہیں۔ یہ جو چہرے والا نقاب جو ہے،اس میں تو اختلاف بھی ہے۔باباجیؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے تو لکھا بھی ہے کہ چلو ان حالات میں چہرہ اور ہاتھ ننگے رکھے جا سکتے ہیں۔اس مریم کا Concept بڑا اچھا تھا۔

یہاں ٹیلی ویژن میں مارننگ شو میں فرح بڑے ماڈرن لباس روزانہ پہن کر آتی۔ وہ لباس Dress designers ان کو ذرا مختلف بنا کر دیتے ہیں کہ فیشن سے چلے گا۔اس پروگرام میں وہاں ایک نومسلم عورت آئی تھی امریکہ سے یہ اس کا انٹرویو کر رہی تھی۔اس نومسلم عورت نے اپنے سر پر وہ پگڑی باندھی ہوئی تھی اور لباس پورا جو ستر تھا۔اس نے پردے والا لباس پہنا ہوا تھا۔ہماری محترمہ جو نسلی مسلمان تھی اس نے Sleveless لباس پہنا ہوا تھا۔اب یہ اس نومسلم سے انٹرویو کر رہی تھی۔جو پیدائشی مسلمان تھی وہ انٹرویو کر رہی تھی کہ یہ پردہ جو ہے یہ آپ کو محسوس نہیں ہوتا؟ خاص طور پر یہ سر کو ڈھانکنا؟ اس نے کہا کہ یہ بڑا اچھا ہے۔یہ قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے عورتوں کے لئے کہ وہ چادریں تھوڑی نیچی رکھا کریں تا کہ وہ پہچانی جائیں اور تنگ نہ کی جائیں۔اس نے کہا کہ قرآن میں یہ لکھا ہے پردے کا۔تا کہ وہ پہچانی جائیں اور ان کو ایذا نہ دی جائے۔اس نے کہا کہ اب بھی یہی ہے کہ ہم یہ پہن لیتی ہیں سکارف یا لباس جو کچھ بھی ہے یا سکرٹ ہے،جو کچھ مرضی ہم پہن لیتی ہیں تو ان کو پتا چل جاتا ہے کہ یہ ہماری پارٹی کے نہیں ہیں She is not our lady. اس کو پھر کوئی نہیں چھیڑتا۔مطلب وہی بات جو قرآن نے

کہی ہے کہ پہچانی جائیں کہ یہ ہماری لائن کی نہیں ہیں۔

ذاکر نائیک بھی ایک دن تقریر کرتا ہے کہ دو بہنیں ہیں۔جڑواں،ایک جیسی خوبصورت ہیں، اور ایک جیسی جوان ہیں۔دونوں جارہی ہیں۔ایک نے تو مسلمانوں والا لباس پہنا ہوا ہے، سادہ سر ڈھانکا ہوا ہے۔اور ایک نے Sleveless پہنا ہوا ہے اور ٹانگیں ننگی ہیں۔آگے غنڈہ پارٹی بیٹھی ہوئی ہے۔وہ کس کو چھیڑے گی؟وہ اس کو چھیڑے گی جو اس کی لائن کی ہے۔وہ جو Basic قرآن نے بتایا ہے وہ یہ ہے۔

انٹرویو کرنے والی اس عورت نے پوچھا کہ یہ آپ کو محسوس نہیں ہوتا؟ یہ اس کی مصلحت اور یہ اور وہ۔اس نے کہا کہ ایک تو یہ بڑا اچھا ہے کہ ہمیں Safety محسوس ہوتی ہے۔دوسرا اس نے کہا کہ بہت سے ہمارے مسلمان بھائی ہیں،جن کا ایمان کمزور ہے۔ہمارے بے پردہ لباس کو دیکھ کر ان کے ایمان میں خلل پڑتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ان کو اس خلل سے بچایا جائے۔

ایک عورت نے لکھا بڑی اچھی تھی۔سندھ میں پیدا ہوئی۔میرا باپ ڈاکٹر تھا،پھر میں نے بھی ڈاکٹری کی، پھر شادی ہوئی۔میرے میاں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے فلاں جگہ Heart کی کلینک بنائی۔یہ بڑی اچھی چل نکلی۔مسقط کے جو شیخ ہیں،ان کی والدہ کو شوگر تھی۔وہ میرے پاس علاج کے لئے آئے تھے۔میں ان کو دیکھ کر بڑی Impress ہوئی۔کافی شوگر تھی انہیں۔کافی Serious قسم کی شوگر کہ جس میں بندہ پریشان ہوجاتا ہے۔وہ جب بھی کبھی آئے، بڑی Graceful وہ آتی تو میں حال احوال پوچھتی تو کہتی۔الحمد للہ۔الحمد للہ!! وہ امیر تھی۔صدقہ خیرات سے بھی غریبوں کی خوب مدد کرتی لیکن بڑے Patience اور بڑے وقار سے آتی۔وہ زندگی کی فکر نہیں کرتی تھی کہ کوئی بات نہیں۔ This is nothing. یہ اللہ کی طرف سے ہے۔وہی زندگی دیتا ہے۔اسی کے پاس چلے جانا ہے۔وہ ڈاکٹر کہتی ہے کہ اس بوڑھی ماں کی باتیں سنتی تو میں بڑی حیران ہوتی۔بوڑھا بندہ تو ویسے ہی گرا ہوتا ہے۔یہ ایسی باتیں کرتی ہے اس کی بیٹی بھی ساتھ آتی۔اس نے Check up کرایا تو اس کو چھاتی کا کینسر تھا۔اس کو بتایا کہ

آپ کوتو کینسر ہے۔اس نے کہا کہ الحمدللہ الحمدللہ! ہم آپ کے پاس آ گئے ہیں تو ہمیں یہ پتا چل گیا ہے کہ ہمیں کینسر ہے۔اللہ ہی شفاء دینے والا ہے۔ یہ کردار جو ہے، وہ Affect کرتا ہے۔ یہ جو ہمارے عقائد ہیں، وہ اسی لئے ہیں تا کہ سوچیں بدل جائیں اور آپ کا Action جو ہے وہ اس دنیا میں اس کے مطابق ہو۔

وہ کہتی ہے کہ ایسی چیزیں میں سوچ کر پھر رجوع ہوئی قرآن کی طرف کہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کیسے ان لوگوں کو یہ حوصلہ ملتا ہے۔ یہ Dignity انہیں کس نے عطا کی ہے۔ان کو یہ سوچ اور یہ عقائد جو ہیں، یہ بخشتے ہیں۔اگر عقائد ہی درست نہیں ہیں تو وہ آگے Dignity کیا ہوتی ہے۔وہ ٹھیک ہو جائیں گے تو پھر آپ کے اعمال بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔آپ مصیبتوں اور تکلیفوں میں ایسے کریں گے۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے بھی کہا ہے کہ وہ عبادات جو ہیں وہ بذات خود مقصود نہیں ہیں۔وہ تو Mean to some end ہیں ان سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔

جیسے نماز ہے۔نماز سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔وہ اللہ نے فرمایا ہے کہ

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۔ (سورۃ العنکبوت ۲۹۔آیت ۴۵)

بے حیائی کے کام۔خدا سے بے وفائی۔اور یہ اور وہ۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۔ (سورۃ لقمان ۳۱۔آیت ۱۳)

شرک جو ہے یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔اب اس میں کیا ظلم کی بات ہے؟ ایک چیز کو اس کا درجہ نہ دینا۔اس کی جگہ سے ہٹا دینا۔یہ ظلم ہے تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا جو ہے اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔اتنی بڑی ہستی۔اتنی طاقتور کہ جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور اللہ کہتا ہے کہ جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو تو بتاؤ کیا انہوں نے پیدا کی ہے کوئی چیز۔ بتا دو اگر انہوں نے پیدا کی ہے جس کی وجہ سے تمہیں اشتباہ ہو گیا ہے۔فرمایا کہ بتاؤ کیا چیز پیدا کی ہے؟ بلکہ اس نے کہا کہ سارے بلا لو، ایک مکھی بنا دو تو نہیں بنا سکتے۔وہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ مکھی ان کے خوان نعمت

سے کوئی ذرہ اُٹھا کر لے جائے تو اس کو چھڑا نہیں سکتے۔

یَا أَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِینَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن یَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن یَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئاً لَّا یَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ. (سورۃ الحج ۲۲۔ آیت ۷۳)

ماننے والے بھی بھیڑ یئے، وہ بھی کمزور۔ مطلب یہ کہ یہ عقائد جو ہیں، یہ آپ کو درست کرتے ہیں۔ آپ کے اعمال کو اور آپ کی سوچوں کو۔

لندن میں ایک بیگم کا لکھا ہے کہ حیران تھی۔ ایک بابا ان کے پاس کام کرتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ جوان تھا، کبھی کبھی وہ بھی آتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ بیمار ہوا اور فوت ہو گیا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا۔ بابے کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اتنا جوان اور خوبصورت۔ اس کا یہ سہارا تھا اور وہ فوت ہو گیا۔ بابے کی کمر ٹوٹ گئی ہو گی۔ کہتی ہے کہ مجھے پتا تھا جہاں وہ رہتے تھے۔ گاڑی میں بیٹھی اور وہاں چلی گئی۔ بستی میں مسلمان کافی تھے۔ وہ بیٹھے ہوئے تھے نیچے جیسے مسلمان بیٹھتے ہیں۔ میں نے سر جھکا کے کافی افسوس کا اظہار کیا۔ کہا کہ آپ بوڑھے تھے اور بیٹا جوان تھا۔ جب میں نے بات ختم کی تو اس نے کہا کہ میڈم! یہ تو اللہ کا کام ہے۔ یہ زندگی موت جو ہے یہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس نے دی۔ جب وہ چاہتا ہے واپس بلا لیتا ہے۔ سب نے اُدھر ہی جانا ہے اللہ کے پاس اس میں کوئی ہمارے اختیار والی بات نہیں ہے اور نہ افسوس والی بات ہے۔ کہتی ہے کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بابے نے جو انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی وہ میرے دل میں چلی گئی۔ میں نے کہا کہ یہ کیسا بابا ہے۔ اس نے تو Mind ہی نہیں کیا۔ باقی حال احوال پوچھتی رہی۔

گھر آ کے سوچتی رہی، اس کی بہو ہے، ایک پوتا بھی ہے۔ وہ اپنی Calculations لگاتی رہی کہ شاید بابا اس لئے نہیں گرا کہ پیچھے پوتا ہے وہ اس کا سہارا ہوگا۔ بہو کا سہارا ہے شاید اس لئے بابے کو افسوس نہیں ہے۔ مذہب کی طرف وہ نہیں آئی۔ سال دو سال کے بعد وہ بہو بھی فوت ہو گئی۔ یہ پھر اس کے گھر گئی کہ اب تو بابا گر گیا ہوگا۔ اس خاتون نے پھر وہی باتیں کیں اور

بابے نے پھر وہی باتیں کیں کہ میڈم! یہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں تو زندگی اس کے مطابق بسر کرنی چاہئے تا کہ کامیاب ہو جائیں۔ تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے فرق نہیں پڑتا چند دن کی بھی ہو تو اس سے مغفرت ہو سکتی ہے۔ ہزاروں سال کی بھی ہو، سیدھے راستے پر نہیں چلیں گے تو جتنا جئیں گے، اتنے اللہ سے دُور ہٹتے چلے جائیں گے۔

وہ کہتی ہے کہ بہر حال پھر میں سوچتی رہی کہ پوتا ہے، شاید اس کی وجہ سے بابا بچ گیا ہے۔ وہ جوان ہوگا، بڑا ہوگا۔ چند سال کے بعد اس کو بھی اللہ نے بلا لیا۔ میں نے کہا کہ اب بابا نہیں بچتا۔ پھر گئی۔ بابے نے پھر ویسی باتیں کیں کہ میڈم یہ ہماری سوچنے والی باتیں نہیں ہیں۔ اس پہ یہی حکم ہے کہ اللہ کا حکم ہے جیسے وہ چاہے۔ ہم نے سب نے چلے جانا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کو کہا کہ چند دن کے بعد آپ آ جائیں۔ آپ میرے پاس ہی رہا کریں۔ یہاں تو کوئی نہیں رہا۔ اُدھر میں نے ہوٹل میں ہی اس کا انتظام کر دیا کہ تم ادھر ہی Stay کیا کرو۔ چند دن کے بعد میں نے کہا کہ کسی عورت کو بلاؤ۔ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے دین سکھائے وہ اپنی بستی سے جو مولوی تھا اس کی بیٹی کو لے آیا۔ اس نے آ کے مجھے مسلمان کیا۔

اس عورت نے وہ کہا کہ انگلی جو بابے نے آسمان کی طرف اُٹھائی وہ میرے دل میں چلی گئی کہ یہ بڈھا ہے۔ اس کو کیسے اتنی Power اور اتنا حوصلہ کیسے مل گیا ہے۔ میں اتنی پڑھی لکھی ہوں، فلسفے پڑھے، یہ کیا اور وہ کیا۔ مجھ میں ایسی بات نہیں آ سکی۔ تو یہ بات ہے کہ کردار جو ہے وہ بننا چاہئے۔ ہمارے عقائد جو ہیں وہ ہمارے اعمال میں Reflect ہونے چاہئیں۔ اللہ تو بار بار کہتا ہے کہ وہ بات بھی مت کرو؛

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۔ (سورۃ الصّف ۶۱۔آیات ۲۔۳)

”اے اہل ایمان! جو کرتے نہیں اس کی بات کیوں کرتے ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ بات کرو جس پر عمل نہیں کرتے“۔

بات یہی ہے کہ مسلمان اور قرآن ایک ہو جائیں تو پھر ٹھیک ہے۔ پھر بن سکتا ہے۔ پتا نہیں کون سا ہمارا سفیر تھا۔ اس نے چون الائی سے پوچھا کہ کوئی پیغام پاکستانیوں کے نام !!! وہ بڑا دوست تھا۔ اس نے کہا کہ پاکستانیوں کے نام یہ ہے کہ صحیح مسلمان بن جائیں۔ سبحان اللہ! اس نے کہا کہ قرآن کے مطابق صحیح مسلمان بن جائیں۔ باقی ٹھیک ہے۔ قرآن اللہ کا Message ہے۔ یہ ساری انسانیت کے لئے ہے۔ Last prophet آ گئے۔ Last book آ گئی اور آپ نے ساری انسانیت کو خطاب کیا۔ کسی پیغمبر نے یہ بات نہیں کی کہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ (سورۃ الاعراف آیت:۱۵۸)

''میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ آخری رسول ہوں اور میرے بعد کوئی کتاب نہیں ہے، کوئی اُمت نہیں ہے۔ ساری اُمت، سارا دور رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ یہ اچھا ہوا کہ ۹/۱۱ کے بعد Best seller قرآن تھا۔ جب ۹/۱۱ ہوا تو سب سے زیادہ بکنے والی کتاب قرآن تھی۔ اتنی مانگ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے فراڈ ہی کیا تھا کہ خود ہی گرایا ان کو یا جو کچھ بھی تھا۔ بہر حال لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا ہے یہ۔ یہ کیوں مرنا چاہتے ہیں؟ تم موت کے قریب نہیں جانا چاہتے یہ کیوں رضا کارانہ طور پر بم باندھ کر ایسے کارنامے کرتے ہیں۔ یہ مذہب کیا ہے آخر؟ اس کے لئے اُنہوں نے قرآن خریدا۔ قرآن کی بڑی مانگ ہوئی۔ سعودیہ حکومت نے اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ توفیق دے انہوں نے بڑی ہمت کی۔ انہوں نے ان کو قرآن مفت بانٹا کہ یہ لو، پڑھو۔ ترجمہ انگلش کا ان کو دیا۔ انہوں نے اسے پڑھا۔ بہت سے لوگ متاثر ہوئے۔ اگر ادھر نہیں بھی آئے تو کم از کم ان لوگوں کا View ہی بدلا۔ وہ چاہتے ہیں اور اللہ ان کو کہتا ہے کہ عنقریب ہم تم کو دکھائیں گے نشانیاں۔ تم پکار اُٹھو گے کہ یہی حق ہے۔ یہ ساری باتیں پروفیسر عبدالغنی فاروق صاحب نے لکھی ہیں۔ پہلی کتاب تھی 'ھم کیوں مسلمان ھوئے' دوسری یہ لکھی۔ ان کے علاوہ اور بھی انہوں نے کتابیں لکھی ہیں۔

قبلہ محمد صدیق ڈار ؒ کے خطوط بنام: محمد عمر ساجد

مورخہ: 04.10.2005

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه !

آپ کا خط بھی ملا۔حالات و کیفیات سے آگاہی ہوئی۔میں گزشتہ مہینے کافی مشغول ومصروف رہا۔چوک اعظم سے عبدالرزاق صاحب آئے اوران سے بھی ملاقات نہ ہوسکی،جس کا مجھے ازحد افسوس ہے۔چلو! جیسے اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

آپ کے ذکر کے بارے میں ہدایات یہ ہیں کہ ذکر نفی اثبات روزانہ بلا ناغہ ہونا چاہیے۔کبھی بہت مصروفیت ہوتو صرف 5منٹ لا اِلٰـہ اِلّا اللّٰـہ کا ذکر کر کے حاضری ضرور لگوالیا کریں۔لیکن ناغہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔آپ کے خط سے ظاہر ہورہا تھا کہ آپ ناغہ بلکہ ناغے کرتے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ جو بھائی نیا نیا ذکر شروع کرتا ہے تو اسے ایک تسبیح کرنے ہی میں سرور حاصل ہوتا ہے۔لیکن جیسے جیسے وہ اس نشہ کا عادی ہوجاتا ہے تو پھر ایک تسبیح آسانی سے کرلیتا ہے اوراسے سرور ملتا ہے۔اگرچہ نشہ وسرور کی فکر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نفی اثبات کے اپنے روحانی فوائد ہیں۔پھر بھی اگر سرور کی جستجو ہوتو ذکر کی تعداد بڑھا لینی چاہیے۔چنانچہ **طریقت توحیدیہ** کے اندر جہاں نفی اثبات کا بیان ہے وہاں تحریر ہے کہ یہ ذکر ایک تسبیح سے دس تسبیح تک کیا جاسکتا ہے اور حلقہ ذکر میں لکھا ہے کہ 5 تسبیح تک کیا جاسکتا ہے۔آپ حسب ہمت ذکر بڑھالیں۔اس لئے آپ 15 سے 20 منٹ تک صرف لا اِلٰـہ اِلّا اللّٰـہ کا ذکر کیا کریں اس سے بھی سرور آنے لگے گا۔"

دوسری بات یہ ہے کہ جیسے آدمی کھانے کھاتا ہے تو پیٹ بھرا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن چند گھنٹوں کے بعد لگتا ہے کہ خالی ہوگیا ہے۔اگر ہر وقت پیٹ بھاری ہی رہے تو یہ معدہ کی خرابی کی علامت ہے۔روحانیت میں بھی ایسے ہی ہوتا ہے اور آدمی خالی خالی اور روحانیت کے بغیر محسوس کرتا ہے۔اس دور کو روحانی ''قبض'' کہتے ہیں۔اس میں انسانی روح ذکر کے اثرات کو جذب کر لیتی ہے اور اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا سفر اللہ کی طرف تیز ہوجاتا ہے۔ چند دنوں یا ایک ہفتہ کے بعد پھر سے پہلی والی کیفیت جسے ''بسط'' کہتے ہیں عود کر آتی ہے اور کیفیت پہلے سے بھی اچھی ہوجاتی ہے۔سورۃ والضحیٰ کی آیات: ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قبض کی حالت میں نازل ہوئیں۔ترجمہ: ''کہ اللہ تعالیٰ نے نہ آپ ﷺ کو چھوڑا ہے نہ ہی بھلایا ہے بلکہ آنے والی حالت آپ کی پہلے والی حالت سے بہتر ہوگی۔''

یہ کافی دیر تک ایسے ہی ہوتا رہتا ہے۔اس لئے اس سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اس دوران زیادہ اہتمام اور باقاعدگی کے ساتھ ذکر اور قرآن کریم کی تلاوت میں وقت لگانا چاہیے اور نوافل پر زور دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی گھریلو پریشانیاں بھی دفع دُور فرمائیں، اپنے ذکر سے دِل کو قوت اور اطمینان عطاء کریں اور دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمائیں۔

الحمد للہ آپ کا حلقہ بہت اچھا چل رہا ہے۔آپ کے حلقہ کا فنڈ بھی سب سے پہلے آتا ہے اور یہ نظم وضبط کی پابندی باعث برکت ہوتی ہے۔میری طرف سے سب بھائیوں کو سلام اور شہرِ رمضان کی آمد مبارک ہو۔

والسلام

مومنین کے اوصاف

(پیر خان توحیدی)

اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید فرقانِ حمید کے پارہ نمبر 18 سورۃ المومنون کی ابتدائی 9 آیات میں مومنین کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۔ یعنی فلاح پا گئے مومنین۔ لفظ فلاح قرآن اور سنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ آذان اور اقامت میں پانچ وقت مسلمانوں کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ یہ فلاح کیا ہے؟ جس کے لیے اتنی شدت سے دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کے معنی ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور رہو۔ یہ لفظ جتنا مختصر ہے اتنا ہی جامع ایسا ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں چاہے وہ سب سے بڑا بادشاہ ہو، پیغمبر یا رسول ہو، تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ ہو، بچہ ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت، شرق کا باسی ہو یا غرب کا غرض خوبصورت ہو یا بدصورت، غریب ہو یا میر اس دنیا میں کسی کے لئے ممکن نہیں کہ کوئی چیز اس کے خلافِ طبع پیش نہ آئے اور جو خواہش دل میں پیدا ہو وہ پوری ہو جائے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ۔ "یقیناً فلاح پائی" آغاز کلام ان الفاظ سے کرنے کی معنویت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتی جب تک وہ ماحول نگاہ میں نہ رکھا جائے جس میں یہ کہا جا رہا تھا۔ اُس وقت ایک طرف دعوت اسلام کے مخالف سردارانِ مصر تھے جن کی تجارتیں چمک رہی تھیں۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ دنیوی خوشحالی کے سارے لوازمات میسر تھے۔ اور دوسری طرف دعوت اسلام کے پیرو کار تھے جن میں اکثر تو پہلے ہی غریب اور خستہ حال تھے۔ اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے یا اپنے کاروبار میں پہلے کامیاب تھے۔ ان کو بھی اب

قوم کی مخالفت نے بدحال کر دیا تھا۔اس صورت حال میں جب تقریر کا آغاز اس فقرے سے کیا گیا کہ یقیناً فلاح پائی مومنوں نے تو اس سے خود بخود یہ مطلب نکلا کہ اے کافرو تمہارا معیار فلاح وخسران غلط ہے۔تمہارے اندازے غلط ہیں۔تم اپنی جس عارضی ومحدود خوشحالی کو فلاح سمجھ رہے ہووہ فلاح نہیں خسران ہے۔ اور محمد ﷺ کے ماننے والوں کو جو تم ناکام ونامراد سمجھ رہے ہو دراصل وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاحِ کامل کوئی ایسی چیز ہے جو اس ملک دنیا میں دستیاب نہیں کیونکہ دنیا تو دار التکلیف و المحنت ہے اور اس کی کسی چیز کو بقاو قرار نہیں۔ یہ متاع گراں مایہ تو ایک دوسرے عالم میں ہی ملتی ہے جس کا نام جنت ہے۔وہ ایسا ملک ہے جس میں انسان کو اس کی ہر خواہش ہر وقت اور ہر جگہ بلا انتظار حاصل ہوگی اور وہاں کسی ادنیٰ رنج اور تکلیف کا گزر تک نہ ہوگا۔مختصراً کامل اور مکمل فلاح تو صرف جنت ہی میں حاصل ہوگی دنیا اس کی جگہ نہیں۔آیتِ مذکورہ میں فلاح پانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اُن مومنین سے کیا ہے جن میں وہ اوصاف موجود ہوں جن کا ذکر اسی سورۃ کی اگلی 8 آیات میں آتا ہے۔لیکن ان اوصاف کو بیان کرنے سے قبل یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مومن اور مسلمان میں فرق ہوتا ہے۔

ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا لیکن ہر مومن مسلمان ہوتا ہے۔دنیا کا کوئی بھی انسان چاہے وہ کسی قوم قبیلہ ملک یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو کلمہ (لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ) پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مسلمان ہو جاتا ہے لیکن مومن نہیں ہوتا۔مومن بننے کے لیے بڑی محنت اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بارے میں شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؒ یوں فرماتے ہیں۔

چو میگویم مسلمانم بلرزم که دانم مشکلات لا الہ را

کہ جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، کانپ جاتا ہوں، ڈر جاتا ہوں کیونکہ میں لا الہ کی مشکلات کو جانتا ہوں مومن بننے کے لئے اصلی کام تو ادھر ہی سے

شروع ہوتا ہے۔قرآن وحدیث میں بھی مومن اور مسلمان کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہی آتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کے لئے مومن کا ہی ذکر کیا ہے۔نہ کہ مسلمان کا اور مومن وہی ہوگا جس میں مندرجہ ذیل اوصاف موجود ہونگے:۔

1۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ : وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کرتے ہیں۔مومن کا اولین وصف اپنی نماز میں خشیت پیدا کرنا ہے عاجزی اور انکساری اختیار کرنی ہے۔خشوع کے لغوی معنی سکون کے ہیں اور کسی کے آگے جھک جانا عجز و انکسار کہلاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ دل میں سکون ہو یعنی غیر اللہ کے خیال کو دل میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں سکون ہو۔عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے خصوصاً وہ حرکات جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور فقہانے ان کو مکروہات نماز کے عنوان میں جمع کر دیا ہے۔نماز کی حالت میں خیالات اور وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے۔اللہ کی جلالت اور عظمت کا نقش اپنے دل میں بٹھانے کی کوشش کرے۔اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے بالوں اور کپڑوں کو نہ سنوارے،خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو جیسے کسی بادشاہ یا بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔حدیث میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک کہ وہ دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشہ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا تو فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔

2۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ :۔وہ لوگ جو لغو یعنی فضول اور بے ہودہ باتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں،پرہیز کرتے ہیں۔لغو کے معنی فضول کلام لایعنی اور لاحاصل باتیں جن میں کوئی دینی اور نہ ہی دنیوی فائدہ ہو اور نہ ہی کوئی مقصد یا نتیجہ برآمد ہوتا ہو بلکہ دینی یا دنیاوی نقصان کا باعث بنتا ہو۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کا اسلام تب اچھا ہوسکتا ہے جب وہ بے ہودہ

چیزوں کو چھوڑ دے ان سے رخ پھیر لے۔ مومن ایسی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے اگر کبھی کوئی سابقہ پیش آجائے تو کترا کر نکل جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہ احساس انہیں سنجیدہ اور مشغول بنا دیتا ہے جو ایک طالب علم کی طرح امتحان کے کمرہ میں بیٹھا اپنا پرچہ حل کر رہا ہو وہ سمجھتا ہے امتحان کے چند گھنٹے اس کی زندگی کے لئے فیصلہ کن ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک ایک لمحہ اپنے پرچے کو صحیح طریقے سے حل کرنے کی کوشش میں صرف کرتا ہے۔ اور کوئی سیکنڈ بھی فضول ضائع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح مومن بھی دنیا کی زندگی ان ہی کاموں میں صرف کرتا ہے جو انجام کار کے لحاظ سے مفید ہوں۔ یہ بات اکثر مشاہدہ میں آئی ہے کہ لوگ دینی اور روحانی محافل میں بھی فضول اور لاحاصل باتوں سے اجتناب نہیں کرتے اور ایسی باتوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے جن کی ابتداء ہنسی مذاق سے شروع ہو کر نہایت ہی بھیانک اور افسوس ناک انجام پر ختم ہوتی ہے۔ معاملہ لڑائی جھگڑے اور گالم گلوچ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ چونکہ لغویات ایک شیطانی عمل ہے جس سے ماحول پر منفی اثرات پڑتے ہیں اور روحانی کیفیات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔

3۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَوٰةِ فَٰعِلُونَ :۔ مومن کا تیسرا وصف زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ لغت میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنا۔ اصطلاح شرع میں مال کا ایک خاص حصہ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم دو معنوں کا مرکب ہے ایک پاکیزگی اور دوسرا نشو نما۔ کسی چیز کی ترقی میں جو چیز مانع آتی ہو اس کو دور کرنا مراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے۔ یعنی اپنے نفس کو رزائل سے پاک کرنا جس میں ریا، تکبر، حسد، حرص، بغض، بخل وغیرہ سب شامل ہیں جو گناہ کبیرہ میں آتے ہیں زکوٰۃ کے ادا کرنے سے اخلاق کی تطہیر ہوتی ہے۔ مال و دولت میں ترقی ہوتی ہے۔ اور روح کی بالیدگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

4۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ :۔ وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مومن کا چوتھا وصف اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنا ہے اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ

اپنے جسم کے قابل شرم حصوں کو چھپا کر رکھتے ہیں اور اپنے ستر دوسروں کے سامنے نہیں کھولتے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی عصمت اور عفت کو محفوظ رکھتے ہیں اپنے صنفی معاملات میں آزادی نہیں برتتے اور قوت شہوانی کے استعمال میں بے لگام نہیں ہوتے۔ وہ اپنی منکوحہ بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ باقی سب سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوانی کی حلال نہیں سمجھتے۔

5۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ :۔ وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوپیمان کا پاس رکھتے ہیں۔ مومن کا پانچواں وصف امانت کی حفاظت کرنا یعنی تفویض کردہ ڈیوٹی کی ادائیگی رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت کرنا۔ امانت کے لغوی معنی میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہو۔ اس کی بیشمار قسمیں ہیں خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے۔ حقوق اللہ سے متعلق تمام شرعی فرائض و واجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات و مکروہات سے پرہیز کرنا۔ حقوق العباد سے متعلق امانات۔ مالی امانت کا داخل ہونا معروف و مشہور ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس اپنا کچھ مال امانت کے طور پر رکھا جس کی حفاظت اس کے واپس کرنے تک اس کی ذمہ داری ہے اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی وہ بھی اس کی امانت ہے۔ ملازم یا مزدور کو سپرد کیا ہوا کام جتنے وقت کیلئے باہم طے ہوا اس میں اس کام کو پورا کرنے کا حق ادا کرنا مزدوری یا ملازمت کے لئے مقررہ وقت اس کام میں لگانا بھی امانت ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا۔

6۔ وعدوں کو پورا کرنا:۔ وہ لوگ جو اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ مومن کا چھٹا وصف وعدوں کو پورا کرنا ہے۔ عہد و معاہدہ ہے جو دو اطراف سے کسی معاملہ کے سلسلہ میں لازم قرار دیا جائے اس کا پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا دھوکہ ہے جو حرام ہے دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی یک طرفہ صورت سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کسی چیز کے دینے یا کسی کام کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو اس کا پورا کرنا شرعاً لازم اور واجب ہوتا ہے۔ جیسے قرض کی ادائیگی واجب ہے

اسی طرح وعدے کا پورا کرنا بھی واجب ہے۔ بلا عذر شرعی کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔

7۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ :۔ وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔مومن کا ساتواں وصف اپنی نمازوں کی حفاظت کرنا ہے یعنی اپنی نمازوں کی پاسداری کرنا اور ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنا۔ یہاں صلوات لفظ جمع کے صیغے میں اس لئے لایا گیا ہے کہ مراد اس سے پانچ وقت کی نمازیں ہیں جن کو اپنے وقت مستحب میں پابندی سے ادا کرنا مقصود ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ مومن کے پہلے وصف میں بھی اور آخری وصف میں بھی نماز کا ذکر آیا ہے۔ پہلے وصف میں خاشعون اور آخری وصف میں یُحَافِظُون آیا ہے جس سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ مطلقاً جنس نماز خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل سب کی روح خشوع ہے وہ نماز سے متعلق ہر چیز کی پوری نگہداشت کرتے ہیں۔جسم اور کپڑے صاف رکھتے ہیں۔ وضو ٹھیک طرح سے کرتے ہیں، سکون اور اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں۔غور کیا جائے تو مومن کے مذکورہ سات اوصاف میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان سے متعلقہ تمام احکام آجاتے ہیں۔ جو بھی شخص ان اوصاف سے متصف ہو جائے اور جم جائے وہی مومن کامل فلاح دنیا و آخرت کے مستحق ہونگے۔قابل غور بات یہ ہے کہ مومنین کے اوصاف کے اوّل آخر نماز کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کو پابندی وقت اور آداب کے ساتھ ادا کیا جائے تو باقی اوصاف خود بخود ہوتے چلے جائیں گے۔ مذکورہ اوصاف کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہو کر جنت الفردوس جو جنت کا اعلیٰ مقام ہے کے حق دار ہونگے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مومنین کی صف میں کھڑا ہونے کے اوصاف پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جنت الفردوس کا حق دار بنائے۔ آمین

سالانہ کنونشن 2019

(حافظ محمد یٰسین)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اس نے اپنی مخلوق کی اصلاح اور راہنمائی کیلئے حضرت آدمؑ کے بعد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو اس دنیا میں بھیجا اور جب بھی ایک نبی کے پیروکار دین کی تعلیمات کو بھولے، اللہ نے ایک اور نبی کو بھیج دیا اور یہ مبارک سلسلہ حضور اکرم ﷺ پر اپنے اختتام کو پہنچا۔ اب انسانوں کو دعوت اِلی اللہ کی ذمہ داری انبیاء کے وارثین اولیاء اللہ کے کندھوں پر آگئی ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے رہبر و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ہیں جو بیسویں صدی کے اوائل میں تشریف لائے۔ آپؒ نے تصوّف کو تمام عجمی آلائشوں سے پاک کر کے عین شریعت محمدی ﷺ کے مطابق بنا دیا۔ آپؒ نے خالص قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی سلسلہ تصوف کی بنیاد رکھی۔ اس لیے کہ موجودہ دور میں قرآن سے دُوری کی بناء پر سب سے زیادہ متاثر عقیدہ توحید ہی ہے۔ بانی سلسلہؒ نے نئے سلسلے کی بنیاد رکھی تو اس کا نام ہی '' توحیدیہ '' رکھا تا کہ خالص اسلامی توحید جو اسلامی عقائد کی جان ہے، کا پرچار کیا جا سکے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تاریخ میں سالانہ اجتماع کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ سالانہ اجتماع ہر سال اپریل کے مہینے منعقد کیا جاتا ہے امسال بھی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ روح پرور اجتماع 12,13 اپریل بروز جمعۃ المبارک، اور ہفتہ کو مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں منعقد ہوا۔ مرکز تعمیر ملت پر بھائیوں کی آمد جمعرات کو ہی شروع ہوگئی تھی۔ دُور ونزدیک کے حلقہ جات جیسا کہ گوجرانوالہ، نوکھر، گکھڑ وغیرہ کے کچھ بھائی جمعرات کو ہی مرکز تشریف لے آئے تا کہ سالانہ اجتماع کے انتظامات کو حتمی شکل دے سکیں۔

سالانہ اجتماع کا باقاعدہ آغاز نماز جمعہ کے بعد تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت دیوا اکیڈمی کراچی کی مسجد کے امام وخطیب قاری محمد اقبال صاحب نے حاصل کی۔ بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت گوجرانوالہ کے بھائی محمد لطیف بھٹی نے پیش کیا، جبکہ عارفانہ کلام کے لیے جناب عبدالرشید ساہی صاحب کو دعوت دی گئی، جنہوں نے اپنے مخصوص اور پرسوز لہجے میں عارفانہ کلام پیش کیا۔ خطبۂ استقبالیہ گوجرانوالہ کے خادم حلقہ جناب محمد ریاض صاحب نے پیش کیا۔ جس میں انہوں نے شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب خان توحیدی اور مقامی بھائیوں کی طرف سے آنے والے مہمان بھائیوں کو خوش آمدید کہا، جو اپنی گوناگوں مصروفیات کو ترک کر کے محض اللہ کی رضا کے لیے اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں حلقہ کی تعلیم اور اجتماع پر مثالی نظم وضبط کے حوالے سے اظہار خیال فرمایا، اور اس بات پر زور دیا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم جس مقصد کے لیے مرکز تعمیر ملت پر جمع ہوئے ہیں اسے پیش نظر رکھیں اور اجتماع کے فیوض و برکات سے مکمل طور پر استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد قبلہ بابا جان نے فرمایا کہ ہمیں اس بات پر اللہ کا کروڑہا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ایک مرتبہ پھر ہمیں مل بیٹھنے کا موقع فراہم کیا ہے اور اس گئے گزرے دور میں ایسی تعلیم سے روشناس کرایا ہے کہ جس کی نظیر کرۂ ارض پر ملنی مشکل ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ہمیں ہمیشہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے اور بانیٔ سلسلہ کی تعلیم کے مطابق اپنا اخلاق اور کردار مثالی بنانا چاہیے۔

آپ نے یہ بات زور دے کر فرمائی کہ سلسلہ کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔ میں صرف آپ کو آگے بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔

اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا جس میں سب سے پہلے مدیر فلاح آدمیت احمد رضا خان صاحب نے "تصوف کا مقصد بانی سلسلہؒ کی نظر میں" کے عنوان کے تحت بھرپور انداز میں روشنی ڈالی۔ جسے بھائیوں نے بہت زیادہ پسند فرمایا اور ان کے

انداز خطابت کو سراہا۔راولپنڈی کے بزرگ بھائی عزیز عارف صاحب نے (سنہری یادیں) کے عنوان پر اظہار خیال فرمایا جس میں انہوں نے بانی سلسلہؒ کی زندگی کے بہت سے واقعات اور قبلہ ڈار صاحبؒ کے حوالے سے یادوں کو خوب صورت انداز میں پیش فرمایا۔اظہار خیال کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔نماز مغرب ادا کرنے کے بعد اجتماعی حلقہ ذکر کی محفل منعقد ہوئی۔راولپنڈی کے بزرگ بھائی پیر خان صاحب نے حلقہ ذکر کرایا۔سید عابد کبیر شاہ صاحب نے ختم پاک پڑھا اور قبلہ بابا جان نے دُعا فرمائی۔نماز عشاء ادا کرنے کے بعد عشائیہ پیش کیا گیا۔عشائیہ کے بعد بھائی آرام کے لیے تشریف لے گئے۔پہلے دن کے اجلاس کی کاروائی میں نقابت کے فرائض راقم الحروف نے سرانجام دیے۔

سالانہ اجتماع کے دوسرے دن بروز ہفتہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اجتماعی ختم قرآن پاک کا اہتمام کیا گیا۔ختم قرآن کے بعد شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان نے دعا فرمائی۔قرآن خوانی کے فوراً بعد خادمان حلقہ اور مجازین کرام کی شیخ سلسلہ جناب محمد یعقوب خان توحیدی سے مجلس مشاورت منعقد ہوئی جو تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔

اجتماع کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی کاروائی کا آغاز دن دس بجے ہوا۔تلاوت قرآن پاک کی سعادت حافظ عبدالکریم صاحب آف ملتان نے حاصل کی جبکہ حمد باری تعالیٰ قاری محمد علی صاحب نے پیش کی اور بارگاہ رسالت میں ہدیۂ عقیدت کا نذرانہ حافظ عبدالکریم صاحب نے پیش کیا۔سلسلہ تقاریر میں کراچی کے بزرگ بھائی عبدالحکیم صاحب نے ''حیات اقوام'' کے عنوان کے تحت جامع مگر مختصر تقریر فرمائی۔ان کے بعد ملتان کے بھائی فیصل خان صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا۔آپ نے فرمایا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ سلسلہ کی تعلیم کو وقت کے تقاضوں کے مطابق عام کیا جائے اور اس کے لیے بھرپور جدید وسائل سے بھی استفادہ کیا جائے تاکہ سلسلہ کی تعلیم عام ہو اور متلاشیان حق اس سے بھرپور فائدہ حاصل کرسکیں۔

غلام مرتضیٰ صاحب نے ''**حلقہ کی تعلیم** '' کے عنوان کے تحت اظہار خیال فرمایا۔

آپ نے کہا کہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں سچی تعلیم سے نوازا ہے حلقہ کی تعلیم ایسی تعلیم ہے جو قرآن وسنت کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق بھی ہے اور سہل العمل بھی۔ کراچی کے نوجوان بھائی راؤ محمد فیصل نے حلقہ توحیدیہ میں اپنی شمولیت کے حوالے سے گفتگو فرمائی انہوں نے فرمایا کہ میرے نانا جان قبلہ انصاریؒ صاحبؒ سے بیعت تھے، انہی کی وجہ سے مجھے بھی سلسلہ توحیدیہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

چوہدری عبدالرشید ساہی نے "**انسان**" کے عنوان سے بھرپور اور پر جوش انداز میں تقریر فرمائی۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ایک شاہکار ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر بھی فضیلت بخشی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اپنے مقام کو پہچانے اور اللہ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے تا کہ وہ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو اللہ کا خلیفہ فی الارض ثابت کر سکے۔ دوسرے دن کے پہلے اجلاس کے آخری مقرر جناب عتیق عباسی صاحب تھے۔ جنہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں توحید پر اظہار خیال فرمایا۔

نماز ظہر با جماعت ادا کرنے کے بعد بھائیوں کو ظہرانہ پیش کیا گیا اور آرام کا موقع فراہم کیا گیا۔ سالانہ اجتماع کے دوسرے دن کے دوسرے اجلاس کی کاروائی کا آغاز نماز عصر سے ہوا۔ دوسرے دن کا یہ اجلاس اس لیے بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ اس اجلاس میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب خان توحیدی اس میں اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اس اجلاس کا با قاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جس کی سعادت عزیز عارف صاحب نے حاصل کی جب کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت ماجد محمود توحیدی نے پیش کیا۔ اس کے بعد شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب توحیدی نے "**زادِ راہ**" کے عنوان سے اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرمایا اپنے خطبے کے آغاز میں آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس کی توفیق سے ہم سب ایک بار پھر اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کے تجربات اور علم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس اجلاس میں راولپنڈی کے بزرگ بھائی پیر خان توحیدی صاحب نے بھی اظہار خیال فرمایا۔ نماز مغرب کی

با جماعت ادائیگی کے بعد اجتماعی حلقہ ذکر ہوا۔ راولپنڈی کے بھائی غلام مرتضیٰ صاحب نے حلقہ ذکر کروایا، ختم پاک عزیز عارف نے پڑھا اور قبلہ بابا جان نے خصوصی دعا فرمائی۔ حلقہ ذکر کے بعد نشست بیعت منعقد ہوئی۔ طالب بھائی اپنے اپنے خادمان حلقہ کے ہمراہ بابا جان کے پاس آئے اور توحیدیہ سلوک طے کرنے اور اللہ کی محبت و معرفت کے حصول کے لیے شیخ سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نماز عشاء کے بعد عشائیہ پیش کیا گیا اور تقریباً گیارہ بجے محفل سماع کا آغاز ہوا شیخ سلسلہ جناب محمد یعقوب توحیدی سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے جبکہ ان کے دائیں طرف ملتان کے بزرگ بھائی اور مجاز جناب سید خالد محمود بخاری اور بائیں طرف سید عابد کبیر صاحب تشریف فرما تھے۔

رفاقت علی قوال و ہمنواء نے محفل سماع میں اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کیا اللہ اور اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت سے لبریز کلام پیش کیا، جس کو توحیدی بھائیوں نے بہت پسند فرمایا۔ محفل سماع کے بعد ترانہ توحیدیہ پڑھا گیا جس کے بعد شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان نے خصوصی دعا فرمائی جس میں تمام حاضرین، مریدین سلسلہ اور ملک و قوم کے ساتھ ساتھ اُمت مسلمہ کی ترقی اور نشاط ثانیہ کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں۔

اگلے روز نماز فجر ادا کرنے کے بعد توحیدی بھائیوں نے ناشتہ کیا اور شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان سے الوداعی ملاقات کرنے کے بعد اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

سالانہ کنونشن 2019 کے انتظامات کی ذمہ داری جناب محمد ریاض، احمد رضا خان اور ماجد محمود توحیدی کو سونپی گئی تھی، جنہوں نے اجتماع کی تمام تر ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا کیا۔ ان حضرات کی معاونت کے لیے قرب و جوار کے حلقہ جات سے بھائیوں نے رضا کارانہ کنونشن کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یوں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا یہ خوب صورت اور روح پرور اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔ لیکن حقیقت میں یہ آئندہ سال کے لیے عزم و ولولہ اور عمل کا نقطہ آغاز تھا۔ اجتماع کا سماں سارے سال کے لیے ہمارے دلوں میں تازگی اور نیا جوش پیدا کرتا رہے گا۔

رمضان،قرآن اورانسان

(مولانا وحیدالدین خاں)

روزہ ہر دور میں شریعت خداوندی کا جزو رہا ہے۔آج جب ایک شخص روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ ایک ایسے تاریخی تسلسل کا حصہ بن جاتا ہے جو ہر دور کے دین داروں میں جاری رہا ہے۔ روزہ دار اپنے اندر قلبی اطمینان محسوس کرتا ہے کہ وہ ایسا عمل کر رہا ہے، جو اللہ کے نیک اور مقبول بندوں نے ہر زمانہ میں کیا ہے۔یہ احساس اس کو اس عالمی ربانی قافلہ میں شامل کر دیتا ہے، جو نبیوں کی رہنمائی میں دنیا سے آخرت تک چلا جا رہا ہے۔

روزہ کا نظام قمری کیلنڈر کے اعتبار سے بنایا گیا ہے۔شعبان کی آخری شام کو اگلے مہینہ کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔روزہ کا زمانہ ایک مکمل عمل کا زمانہ ہے، یہ مخصوص دینی سرگرمیوں کا دور ہے۔جو دن پہلے کسی احتیاط اور اندیشہ کے بغیر گزرتے تھے،اب اُنھیں دِنوں کو اس زندہ احساس کے ساتھ گزارنا پڑتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا ہے۔ایسا نہ کرو ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا، ویسا نہ کرو ورنہ روزہ رکھ کر بھی تم بے روزہ ہو جاؤ گے۔روزہ کا مقصد یہ صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ آدمی کی زندگی پابند زندگی ہو، نہ کہ بے قید زندگی۔روزہ آدمی کیلئے ایک خصوصی تربیت گاہ میں داخلہ ہے۔روزہ میں آدمی کے تمام اوقات اس مشق میں گزرتے ہیں کہ آدمی کے روزمرّہ کے معمولات میں مستقل مزاج بنانا ہے۔ یہ بااصول زندگی کی تربیت ہے اور اسی قسم کی بااصول زندگی مومن سے ساری عمر کیلئے مطلوب ہے۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے اور ایک بندۂ مومن اللہ کی رضا کی خاطر اس کے روزے رکھتا ہے تو اس کو تقویٰ کا تجربہ ہوتا ہے۔اس عمل کے دوران اس کے اندر اعلیٰ قسم کی ربانی کیفیات اُبھرتی ہیں

قرآن میں ارشادِ گرامی ہے:

''اے ایمان والو! تمہارے اوپر رمضان کے روزے فرض کیے گئے جس طرح پہلی اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم میں تقویٰ کی روِش پیدا ہو۔'' (البقرہ:۱۸۳)

تقویٰ دینی حساسیت کا دوسرا نام ہے۔ اس اعتبار سے روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کے اندر دینی احساس کو بیدار کیا جائے۔ اس کو بے حس انسان کے بجائے ایک حسّاس انسان بنا دیا جائے۔ ہر آدمی کی فطرت میں ایک ربّانی انسان موجود ہے۔ روزہ اس لئے ہے کہ وہ آدمی کے اندر چھپے ہوئے اس ربّانی انسان کو جگا دے۔

رمضان کا مہینہ ہر سال اس لئے آتا ہے کہ آدمی کو روزہ کے تجربات سے گزار کر اس کے اندر تعلق باللہ کی کیفیت کو زندہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ کوئی بندۂ مومن اپنے ربّ کو یاد کر کے کہہ اُٹھے کہ خدایا! تو شیطان کو اس سے روک دے کہ وہ مجھے گمراہ کرے۔ خدایا ! تو میرے لئے جنت کے دروازے کھول دے اور جہنم کے دروازے میرے اوپر بند کر دے!

روزہ گویا ایک سالانہ موقع ہے جب کہ آدمی شیطان کو باندھ کر اس کو اپنے سے دور کر سکتا ہے۔ ہر عمل آدمی کو کسی انعام کا مستحق بناتا ہے۔ روزہ کا عمل آدمی کو اس بات کا مستحق بناتا ہے کہ اللہ اس پر اپنا خصوصی انعام فرمائے، اس کو ہر فتنہ سے محفوظ کر کے اپنی ابدی رحمتوں کے سایہ میں لے لے۔

قرآن جیسے ہدایت نامہ کا نزول انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے، کیونکہ وہ انسان کو سب سے بڑی کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے کہ انسان کس طرح اپنی موجودہ زندگی کو بامعنی بنائے تاکہ موت کے بعد کی ابدی زندگی میں وہ معنویت سے بھری ہوئی اس دنیا میں داخلہ پا سکے، جس کا نام جنت ہے، جو انسان کی منزل ہے اور روزہ گویا اس جنت تک پہنچنے کا راستہ!!!

رمضان کا مہینہ اسی نعمت کی سالانہ یادگار منانے کا مہینہ ہے۔ قرآن کے نزول کی یہ یادگار جشن کی صورت میں نہیں منائی جاتی بلکہ تقویٰ اور شکر گزاری کے ماحول میں منائی جاتی ہے۔

اس مہینہ میں روزہ رکھنا نعمت خداوندی کا سنجیدہ اعتراف ہے ۔رمضان کا مہینہ قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا مہینہ ہے ۔اس مہینہ میں خصوصیت سے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے ۔راتوں میں تراویح کی صورت میں قرآن کو ادب و احترام کے ساتھ سنا جاتا ہے، یہ مہینہ اس مقصد کیلئے خاص ہے کہ اس میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا سب سے زیادہ تذکرہ کیا جائے ۔

روزہ ایک مخصوص عمل ہے ۔اس سے آدمی کے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے ۔اس طرح روزہ آدمی کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر لطیف نفسیات کو جگائے ، وہ ان کیفیتوں کو احساس کی سطح پر پاسکے جو اللہ کو اپنے بندوں سے اس دنیا میں مطلوب ہیں۔

روزہ کا پُر مشقت تجربہ آدمی کو مادّی سطح سے اُٹھا کر روحانی سطح کی طرف لے جاتا ہے ۔ روزہ ایک قسم کی تربیت ہے،جس سے آدمی کے اندر یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ تڑپ کی سطح پر خدا کا عبادت گزار بنے ۔ روزہ آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ اللہ کی شکرگزاری میں اس کا سینہ تڑپے، اور اللہ کی پکڑ کے خوف سے اس کے اندر کپکپی پیدا ہو۔

روزہ کی ظاہری صورت کھانا پینا چھوڑ دینا ہے ۔یہ ''چھوڑنا'' اس بات کی علامت ہے کہ بندہ خدا کے حکم کے ماتحت ہے ۔وہ ہر اس چیز کو چھوڑنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے جس کو چھوڑنے کا خدا اسے حکم دے ۔حتیٰ کہ اگر وہ حکم دے تو وہ کھانے پینے جیسی ضروری چیزیں بھی اس کی خاطر چھوڑ دے گا۔جو شخص ایک مہینہ کے مخصوص اوقات میں کھانا پینا چھوڑ دے، مگر خدا کی دوسری منع کی ہوئی چیزوں، مثلاً جھوٹ بولنا اور جھوٹی کاروائیاں نہ چھوڑے، اس نے گویا علامتی حکم کی تو پیروی کی مگر جو اصلی حکم تھا اس کو نظر انداز کردیا۔ایسا آدمی کسی انعام کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

روزہ دار دراصل وہ ہے جس کا روزہ اس کی پوری زندگی کا روزہ بن جائے ، جو تمام معاملات میں اس کے اوپر خدا کی لگام لگا دے۔اس کی زبان بدخواہی کا کلمہ بولنا چھوڑ دے۔ اس کا ہاتھ ظالمانہ کاروائی کرنے سے رُک جائے ۔اس کے پاؤں بے انصافی کے راستوں پر نہ چلیں حدیث کے الفاظ میں، وہ اس گھوڑے کی مانند ہوجائے جو کھونٹے سے بندھا ہوا ہے ۔

اس کی رسی جتنی لمبی ہے، بس اسی کے دائرہ میں وہ گھومتا رہتا ہے، وہ اس کے باہر نہیں جا سکتا۔

دین پورا کا پورا ایک ذاتی عمل ہے، مگر روزہ میں دین کی یہ حقیقت آخری حد تک نمایاں ہوگئی ہے، روزہ ایک اعتبار سے ایک انفرادی عبادت اور ذاتی عمل ہے۔ عام دنوں میں مسلمان کو ناجائز چیزوں سے رُکنا پڑتا ہے، روزہ کے دنوں میں وہ جائز چیز کو لینے سے بھی رُک جاتا ہے، یہ گویا اطاعتِ خداوندی کے جذبہ کو مزید پختہ کرتا ہے۔

رمضان کے مہینہ کا خاص مقصد آدمی کے اندر ایمان واسلام اور امن وسلامتی کے احساس کو جگاتا ہے۔ اس مہینہ میں روزہ کے تربیتی کورس سے گزار کر آدمی کے اندر روحانی اور انسانی کیفیات کو اُبھارا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ آئندہ سال بھی اس طرح رہے کہ ایک طرف اللہ سے اس کا ایمانی تعلق مضبوط ہو، اور دوسری طرف وہ لوگوں کے درمیان امن اور سلامتی والا انسان بن کر رہ سکے۔ وہ اللہ کا اچھا بندہ بھی بنے اور سماج کا اچھا فرد بھی۔

روزہ برائیوں کے خلاف ڈھال ہے۔ تمام برائیوں کا سبب نفسانی جذبات ہوتے ہیں مثلاً کوئی شخص اشتعال دلانے والے الفاظ بول دے تو آدمی غصہ میں بھڑک کر اس سے لڑنے لگتا ہے روزہ اس کے خلاف چیک ہے۔ روزہ میں فاقہ کا عمل نفسانی جذبات کو مضمحل کرتا ہے۔ وہ مختلف عبادتی اعمال کے ذریعہ آدمی کے اندر روحانیت کو اُبھارتا ہے۔ اس طرح آدمی اس قابل ہوجاتا ہے کہ وہ ردِّعمل کی نفسیات سے بچے اور غصہ کی بات پر بھی غصہ نہ آئے۔ رمضان کا غذائی روزہ اس کو بقیہ دنوں کیلئے اخلاقی روزہ دار بنا دیتا ہے۔

روزہ میں آدمی جو عمل کرتا ہے، اس کا ثواب اس کو عام دنوں سے زیادہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ میں آدمی کی روحانی کیفیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ آدمی روزہ میں جو عمل کرتا ہے وہ زیادہ کیفیت لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس بناء پر اس کے عمل کا ثواب بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔

روزہ میں اپنے آپ پر احتیاج کی حالت طاری کرنے سے دوسرے محتاجوں کی ضرورت کا احساس جاگتا ہے۔ آدمی اس مہینہ میں زیادہ بڑھے ہوئے جذبہ کے تحت مزید صدقہ

وخیرات کرنے لگتا ہے۔اس طرح روزہ کا مہینہ پورے سماج کیلئے معاشی برکت کا مہینہ بن جاتا ہے۔روزہ دار سماج سے رزق کی تنگی اُٹھالی جاتی ہے۔

روزہ اور کردار: ''جس روزہ دار نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور اپنا پینا چھوڑ دے۔'' (رواہ البخاری)

جو شخص اس طرح عبادت کرے کہ عبادت گزاری کے ساتھ وہ جھوٹ بولتا ہو اور جھوٹ پر عمل کرتا ہو تو اس کی عبادت گزاری اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ٹھہرے گی۔اللہ کو خالص عمل مطلوب ہے نہ کہ وہ عمل جس کے ساتھ جھوٹ شامل ہو۔

رمضان کے مہینہ میں ایک مقررہ نظام کے تحت یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف اُبھرے۔ان کے اندر یہ مزاج پیدا ہو کہ وہ اس دنیا میں صبر اور تقویٰ کے ساتھ رہنا سیکھیں۔یعنی خواہش کے باوجود ایک چیز کو نہ کھائیں۔نفس کے تقاضے کے باوجود ایک کام کو نہ کریں۔وہ ہر حال میں دین کے تقاضوں پر قائم رہیں، خواہ اس کی خاطر انہیں ناموافق باتوں کو برداشت کرنا پڑے۔

رمضان کے مہینہ کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔صبر و استقامت بلاشبہ زندگی کی سب سے بڑی طاقت ہے۔حقیقی روزہ صبر کی صفت پیدا کرتا ہے، جو تمام اعلیٰ کامیابیوں کا دروازہ ہے۔صبر یہ ہے کہ آدمی حکم الٰہی کی تعمیل میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرے۔

روزہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کی ساری زندگی طرح طرح کی پابندیوں میں گزر جاتی ہے گویا آدمی کی پوری زندگی دوسرے کے قبضے میں ہے۔آدمی کو اپنی مرضی پر نہیں بلکہ دوسرے کی مرضی پر چلنا ہے۔روزہ آدمی کو یہ سبق دیتا ہے کہ وہ دنیا میں اس طرح رہے کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کی نگرانی دیئے ہوئے ہے،وہ اللہ کے حکموں کی پابندی کر رہا ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت: اعمالِ دینیہ کی اصل

(امام ابن القیّم الجوزی)

ہر عمل خیر وشر اور فعل حق و باطل کی اصل محبت ہے۔ اعمال دینیہ کی اصل اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔

اقوال دینیہ کی اصل اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کی تصدیق ہے یعنی کلمہ شہادت ہے جو ارادہ، نیت اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی تکمیل میں رکاوٹ ہو، اور مزاحمت کرے، وہ ایمان کی تکمیل وتصدیق میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور یہ اصل ایمان کے خلاف ہے۔ اس سے ایمان کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ یہ ارادہ محبت وتصدیق کی تکمیل میں رخنے ڈالتا ہے، اسے کمزور کر دیتا ہے اور بندے کی عزیمت و ہمت، قوتِ پرواز اور قوتِ طلب میں نقص پیدا کر دیتا ہے پھر حصولِ مطلوب کی راہ میں حجاب بن جاتی ہے، طالب کی راہ کاٹ دیتی ہے، راغب کی رغبت کو تلخ کر دیتی ہے۔

محبت و مؤدت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کر دینا اور معبودِ حقیقی کے سوا تمام معبودانِ باطل سے منہ موڑ لینا ایک ہمیشہ باقی رہنے والا کلمہ ہے، جو انبیائے کرام سے چلا آ رہا ہے اور یہ کلمہ لا اِلٰـہ الاّاللّٰـہ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جو امام الحنفاء حضرت ابراهیمؑ نے اپنے پیرو کاروں کو قیامت تک کیلئے ورثے میں دیا ہے، یہی وہ کلمہ ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق کی فطرت کو قائم کیا ہے۔

اس کلمے پر ملت اسلامیہ کی تاسیس ہوئی ہے، یہ کلمہ ایک زبردست خدائی منشور ہے اس کلمے کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکے گا۔ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔

انسان اُس وقت تک اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس مضبوط رسی کو تھام کر آگے نہ بڑھے۔ یہ اسلام کا مقدس و پاکیزہ کلمہ ہے۔ اسی کلمے سے شقی وسعید اور مقبول ومردود کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کلمے سے دار الکفر اور دار الاسلام کے راستے الگ ہوجاتے ہیں۔ یہی کلمہ وہ عمود وستون ہے، جو فرائض وسنن کا بار اُٹھائے ہوئے ہے۔ اسی کلمے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ کان آخر کلامہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ ٥

ترجمہ: ''جس کا آخری کلمہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

اس مقدس کلمے کی حقیقی روح اور راز یہ ہے کہ ربّ العالمین کی ذات کے سوا بندہ کسی سے محبت نہ رکھے اور اگر کسی سے محبت رکھے تو صرف اس لئے کہ اس سے محبت کرنا محبوبِ اعلیٰ کی محبت کے تابع اور محبوبِ حقیقی کی محبت کا ذریعہ ہے۔

ایسا بندۂ مومن کلمہ گو اللہ کی ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی سے اُمید وابستہ نہیں رکھتا، کسی پر توکل و اعتماد نہیں کرتا، رغبت و رہبت اور اُمید وبیم صرف ذاتِ الٰہی سے رکھتا ہے۔ وہ قسم کھاتا ہے تو صرف اللہ کی، نذر مانتا ہے تو صرف اس کی، توبہ وانابت کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو صرف اس کے سامنے، اطاعت وپیروی کرتا ہے تو صرف اللہ کی، طلبِ خیر وفلاح کی آرزو رکھتا ہے تو صرف بارگاہِ خداوندی سے۔ ہر قسم کی تکالیف میں مدد و استعانت کا ہاتھ پھیلاتا تو صرف اس کے سامنے، التجاء کرتا ہے تو اس کی بارگاہ میں، سجدہ کرتا ہے تو اسی کی جناب میں، ذبح کرتا ہے اسی کیلئے، اسی کے نام پر۔

تمام امور اگر ایک جملے میں جمع کر دیئے جائیں تو کہیے کہ ہر قسم کی عبادتیں صرف اللہ ہی کیلئے ہیں۔ وہ تمام عبادتوں کا حقدار ہے۔ کلمہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ کی حقیقت بھی یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی معنی میں اس کلمے کی شہادت دینے والے پر اللہ تعالیٰ نے جہنم حرام کر دی ہے۔ فرمایا:

''جو شخص بھی اس حقیقت کے کلمۂ شہادت کی تصدیق کرے گا، اور اس پر قائم رہے گا،

اس کا جہنم میں جانا محال اور ناممکن ہے''۔

روحِ انسانی اس کلمے سے اس طرح سے وابستہ ہے جیسے جسم کی حیات اس روح سے وابستہ ہے۔وہ آدمی جو موت کے وقت یہ کلمہ ادا کرتا ہے اور اس پر مرتا ہے، اسے جنت حاصل ہوجاتی ہے، وہ جنت میں پوری عیش وعشرت کے ساتھ رہنے کا حقدار بن جاتا ہے۔وہ شخص جس کی ساری زندگی اس کلمے پر گزری ہو اور زندگی بھر اس نے یہ کلمہ اپنائے رکھا ہو، اس کی شان کیا ہونا چاہیے؟ یقیناً اس کی روح جنت الماویٰ کے اندر سیر کرتی رہے گی اور پوری عیش سے سیر کرے گی۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا، اور اس نے نفس کو خواہشات سے روکا، اس کا ٹھکانا بھی بہشت ہے۔'' (عبس: ۸۰: ۴۰-۴۱)

بندے اللہ تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن حاضر ہونگے۔جنت ایسے ہی مومنین کا مقام اور ماویٰ اور ملجا ہے۔معرفتِ الٰہی، محبت خداوندی، شوق لقائے ربّ العالمین سے فرح و مسرت حاصل ہوتی ہے۔رضائے الٰہی دنیا میں انسان کی روح کا ماویٰ و ملجا ہے۔جو انسان دنیا کی اس جنت سے محروم رہا وہ جنت الخلد سے یقیناً محروم رہے گا۔ اللہ کے نیک بندے اگر چہ بظاہر تنگ دست نظر آئیں لیکن وہ نعمت و راحت ہی میں ہونگے۔جبکہ فاسق و فاجر لوگ یہاں اور وہاں ہر دونوں جگہوں میں جہنم میں ہونگے ، خواہ دنیا کی ساری وسعتیں ان کیلئے موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''جو شخص نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم اس کی (دنیا کی) زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے۔'' (سورہ النحل: آیت:۹۷)

جس **طیب الحیات** اور بہترین زندگی کا ذکر ہوا ہے، وہ اسی دنیا کی زندگی ہے اور اسی بہترین زندگی کا نام دنیا کی جنت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' آگاہ رہو ! خاصانِ خدا ایسے امن میں ہونگے کہ قیامت کے دن نہ ان پر

خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے،اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی باتوں میں فرق نہیں آتا۔یہی بڑی کامیابی ہے۔"(سورہ یونس:۶۲-۶۴)

مومن مخلص بندہ جسے اللہ تعالیٰ سے کامل ترین خلوص ہے،اس کی دنیا کی زندگی اور اس کا عیش بہترین زندگی اور عیش ہے ایسا آدمی سب سے زیادہ خوشحال ہے ایسے آدمی کو سب سے زیادہ انشراحِ صدر اور سرورِ قلب حاصل ہوتا ہے اور یہ وہ جنت ہے جو اسے دنیا میں،وعدے کی جنت سے قبل ہی حاصل ہوگی۔آنحضورﷺ کا ارشاد ہے:

"جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو اس میں چرلیا کرو۔یہ سن کر صحابہ کرامؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہﷺ!جنت کی کیاریاں کہاں اور کیا ہیں؟آپﷺ نے فرمایا: "ذکر الٰہی کے حلقے)۔

بندۂ مومن کا اللہ سے محبت اور اس محبت سے لذت اندوز ہونا اور اللہ کی مرضی اور رضا مندی کو ہر چیز پر ترجیح دینا،بلکہ اپنی زندگی اور دنیا کی ہر نعمت،سرور و مسرت و فرحت اور اپنی زندگی کی ہر چیز کو اسی اللہ سے وابستہ کر دینا ہی اصل روحانی سکون کا سبب ہے۔

حدیث قدسی ہے:

اے ابن آدم!میں نے تجھے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے،تو لہو ولعب میں نہ پڑ جا۔میں نے تیرے رزق کی کفالت کی ہے،خواہ مخواہ مشقت میں نہ پڑ۔اے ابنِ آدم! طلب کر،تو مجھے پائے گا۔اگر تو نے مجھے پالیا تو ہر چیز پالی اور تو نے مجھے کھو دیا تو ہر چیز کھو دی،اور حال یہ ہے کہ میں تجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

موروثی، نسلی، خاندانی اور ماحولیاتی اثرات کے وجود کے تمام تر اعتراف واقرار کے باوجود یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی کو خوشحال یا بدحال، مضر یا نافع ومفید، سعید یا شقی، خوش وخرم یا غمزدہ افسردہ بنانے پر کسی حد تک قادر ضرور ہوتا ہے۔ یہ بالکل بجا ہے کہ ذکاوت، ذہانت وبلادت، قوت وضعف، شجاعت وبزدلی، خوش خلقی وبدخلقی میں انسان پر موروثی اور ماحولیاتی وخاندانی اثرات لازماً پڑتے ہیں، تاہم انسان کا عزم راسخ، ہمت مردانہ، حوصلہ مندی، اور پختہ تربیت موروثی وماحولیاتی اثرات پر بڑی حد تک قابویاب اور غالب ہوجاتے ہیں۔

انسان مثال کے طور پر اگر موروثی طور پر بیس فیصد ذہانت کا حامل ہے تو اپنے عمل وارادہ سے وہ اپنی ذہانت کو بیس سے سو فیصد تو نہیں کرسکتا مگر اپنی بیس فیصد کی محدود ذہانت کو اپنی عزیمت وتربیت کے نتیجہ میں اتنی اچھی طرح برموقعہ وبرمحل استعمال ضرور کرسکتا ہے کہ سو فیصدی ذہانت کے حامل کمزور ارادہ وعمل والے کے مقابلہ میں زیادہ فائدہ حاصل کرسکے اور پہنچا سکے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیس پاور کا بلب اگر بالکل صاف ستھرا ہو تو اس کی روشنی سو پاور کے گندے بلب سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اور متوسط درجہ کا آدمی خوراک وپوشاک میں اعتدال ونظافت اور حفظانِ صحت کے اصول کی رعایت کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے اس آدمی سے فائق ہوجاتا ہے جو اعلیٰ خوراک وپوشاک تو استعمال کرتا ہو مگر اعتدال ونظافت اور حفظانِ صحت کے اصولوں کی رعایت نہ کرتا ہو، اس طرح وراثت اور ماحول انسان کو زندگی کی سعادت اور کامرانیوں سے نہیں روک پاتے اگر انسان ہمت، قوتِ ارادی اور قوتِ فکروعمل سے مالا مال ہو۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ انسان کو کبھی مایوس اور قنوطیت کا شکار نہ ہونا چاہئے ، اور ہمیشہ اپنے مستقبل کے بارے میں بہتری اور کامیابی کی توقع رکھنی چاہئے ، اسے کبھی یہ خیال کر کے افسردہ نہ ہونا چاہئے کہ بہتری دوسرے کے حصہ میں مقدر کر دی گئی ہے اور کامیابی دوسرے کے نصیب میں لکھ دی گئی ہے، اور کامیابی میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ اس کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کی رحمت اس پر بھی سایہ فگن ہوگی ، مستقبل میں وہ عنایتِ الٰہی سے ضرور بہرہ مند ہوگا، خدا کے ہاں دیر ضرور ہے اندھیر نہیں!!! ۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، اللہ کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں“۔(سورہ یوسف)

بس عزم کر کے بے راہ روی اور رحمتِ الٰہی کے نزول میں حائل گناہوں کو ترک کر دے، اللہ کی رحمت بلا تاخیر اس کی طرف متوجہ ہوگی ، یہ اس کا وعدہ ہے۔

”اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو نبھانے والا کون ہو سکتا ہے!!!۔

اگر یہ خیال انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے کہ اس کا مستقبل بے حد تاریک ہے، روشنی کی کوئی کرن کبھی نمودار ہونے کی بالکل اُمید نہیں ہے، کوئی کامیابی کبھی اس کے دامن میں آنے کی نہیں ہے، تو یہ خیال زہر قاتل ہے جو انسان کو بے حد کمزور، پست حوصلہ، جامد اور مردہ بنا دیتا ہے، اس کے بالمقابل اگر انسان کامیابی و بھلائی کا اُمیدوار و منتظر ہو، حتی المقدور کوشاں ہو، وسائل و اسباب کے استعمال کے لئے حسب امکان ہاتھ پاؤں مارتا ہو تو پھر کامیابی کے دروازے دھیرے دھیرے اس کے لئے کھلتے جاتے ہیں، اس کا حوصلہ بڑھتا جاتا ہے اور اس میں قوت پیدا اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

جن لوگوں میں عام طور پر احساس برتری کبر کی حد تک پہنچا رہتا ہے، ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ فطری بلندی اور کمال کے ساتھ متصف ہیں ، وہ بغیر محنت و مشقت اعلیٰ مقام تک پہنچ سکتے ہیں ، وہ طلسماتی کرتب سے مٹی کو سونا بنا سکتے ہیں ،لیکن ظاہر ہے کہ یہ وہ خوش خیالیاں ہیں جو حقیقت کی

دنیا میں ریت کی دیوار سے بھی زیادہ ناپائیدار ثابت ہوتی ہیں، عملی زندگی میں جس نے بھی قدم رکھا ہے، پہلے مرحلہ میں اسے تردد وخوف، پریشانیوں، ناموافق حالات اور مشکلات کا سامنا بہرحال کرنا پڑا ہے، پھر جو بھی عملی میدان میں کامیاب ہوا ہے وہ اسی لئے کامیاب ہوا ہے کہ اس نے اپنے اندرون کی روشنی، عزیمت وبصیرت اور عزم وحرکت سے قوت کشید کی، اور جوں جوں قدم آگے بڑھاتا گیا راستے ہموار ہوتے گئے، منزل آسان ہوتی گئی، دشواریاں دُور ہوتی گئیں اور خوف وشک ختم ہوتا گیا، اور جلد بازی کے بجائے وہ بتدریج منزل بہ منزل چلتا ہوا بالآخر کامیابی کے آخری مرحلہ تک اپنے اندر کے عزم وہمت کی مدد سے پہنچ گیا، اب اگر پہلے ہی مرحلہ پر وہ نااُمید ہوکر ہمت ہار جاتا تو وہ محروم رہ جاتا، مگر وہ مسلسل سعی وعمل میں لگا رہا اور بالآخر منزل مقصود تک پہنچ کر ہی دَم لیا۔

ہر دَور میں زندہ قوموں کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ وہ عمل اور مسلسل عمل پر کاربند ہوتی ہیں، مایوسی اور پست حوصلگی جیسے الفاظ سے ان کا لغت خالی ہوتا ہے، ہماری موجودہ ناکامی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہم خودساختہ اوہام اور مشکلات اور رکاوٹوں میں گھرے ہوئے ہیں، ہم نے اپنے ذہنوں سے خود اوہام ومشکلات پیدا کرلئے ہیں جن کا خارجی وجود یا تو ہے ہی نہیں یا ہے تو برائے نام ہے، کسی کام میں کبھی ہم بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں، کبھی متوقع نتائج کے حصول میں شک ہم میں پیدا ہوجاتا ہے، کبھی ناکامی کا خوف دامن گیر ہوتا ہے، کبھی اپنی سستی اور غفلت آڑے آجاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کام میں اپنی کامیابی کو ناممکن سمجھ کر اپنے حوصلے پست کردیتے ہیں اور ہمت ہار جاتے ہیں اور پھر محروم ہوجاتے ہیں۔

خوداعتمادی کا فقدان بہت بڑا مرض ہے، اسی نے ہمیں کمزور، مردہ دِل، پست حوصلہ، جامد اور محروم بنادیا ہے، اور اسی نے ہماری حرکت، استقامت اور بلندنظری وعالی فکری کا خون کر ڈالا ہے، ہم میں احساسِ کمتری جڑ پکڑ چکا ہے، اسی لئے سب ہم کو کمتر وادنیٰ سمجھنے لگے ہیں۔

خوداعتمادی کامیابی کے لئے بنیادی شرط ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی حدیں کبروغرور سے

نہ ملنے پائیں کیونکہ کبر بھی پستی کا اہم سبب ہے، اس مرحلہ پر بڑی احتیاط، باریک بینی اور دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے، خوداعتمادی کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی پر مکمل قدرت واستطاعت کا یقین آدمی میں پیدا ہوجائے اور وہ اپنی ذات اور اس کے تمام اچھے پہلوؤں سے بخوبی باخبر ہوجائے، جب کہ کبروغرور کے معنی اپنے کو اصل استحقاق سے زیادہ کے قابل سمجھنا، بغیر عمل کے مطلوبہ نتائج کا مطالبہ کرنا، دوسروں کو پست اور خود کو بالا سمجھنا وغیرہ ہیں۔ خوداعتمادی کے جوہر گراں مایہ سے آراستگی کے بعد انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام مشکلات کا خوشی خوشی مقابلہ کرے، مصائب میں الجھ کر مضطرب اور پریشان ہونے کے بجائے مسکرائے اور:

مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

کا مصداق بن جائے، مصائب کا خندہ روئی سے مقابلہ نجات کی راہیں کھول دیتا ہے، مصائب کے دُور رہونے کا اہم سبب بنتا ہے، تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مصائب وحالات کا ہنستے مسکراتے مقابلہ کرنے والے کامیابی اور سعادتوں سے زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔

انسان پر اللہ کی یہ بہت بڑی نعمت ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے تاریک (Negative) پہلوؤں کے بجائے روشن (Positive) پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز رکھے۔

روشن دماغی، عالی فکری، رجائیت، ناامیدی ومایوسی سے دوری، خوداعتمادی، بلندحوصلگی، کبروغرور سے بچاؤ، احساس کمتری سے دوری، مصائب کا ہنس کھیل کر مقابلہ کرنا اور بخوشی جھیل جانا...... یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جن سے ایک بے حد خوشگوار زندگی کی تشکیل کی جاسکتی ہے، اگر یہ عناصر کسی زندگی میں جمع ہوجائیں تو وہ ایک قابل رشک زندگی ہوگی۔

معاملہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے، چاہے تو محرومی کی زندگی گزارے اور چاہے تو ان عناصر پر اپنی زندگی کی عمارت استوار کرکے اسے قابلِ صد رشک وفخر زندگی بنائے، بقول شاعر

؎ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

اسلامی طرز زندگی میں اسوۂ ابراہیمؑ کا مقام و مرتبہ

(عبدالقیوم ہاشمی)

سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ:۔"اس شخص سے بہتر اور کس کا طرز زندگی ہوسکتا ہے، جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی، اس ابراہیمؑ کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنالیا تھا"۔ سورہ نحل میں تو اللہ رب العزت نے صاف صاف حضور نبی کریمﷺ اور آپ کی امت کو بھی یہ حکم فرمادیا کہ وہ بھی اسوۂ ابراہیمؑ کی پیروی کریں۔ترجمہ:۔"پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو" (النحل 123)۔ مذکورہ آیات میں یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم اور آپ کی امت کو یہ ہدایت (Guide Line) دے رہے ہیں کہ آپ بھی اسی طریقہ سے میری بندگی اختیار کرو جس طرح میرے دوست ابراہیم نے کی۔ اگر ہم قرآن کریم سے حضرت ابراہیم کی سیرت مبارکہ کا خلاصہ جمع کریں تو اللہ کے یہ عظیم دوست جن خاص خوبیوں کے مالک تھے وہ یہ تھیں، اللہ سے شدید محبت، بندگی اور عبادت میں کمال درجہ اخلاص اور یکسوئی اور شرک سے حد درجہ بیزاری، بندگانِ خدا کی اصلاح اور رہنمائی کی شدید تڑپ، اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پہ شکر گزاری کا بلند جذبہ، اللہ کی انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر غور و تفکر اور جستجو کی پختہ عادت، اللہ کی طرف سے کڑی آزمائشوں پر صبر، سراپاء تسلیم و رضا اور ایثار و قربانی کا نمونہ۔

اِن صفات عالیہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل یعنی دوست بنالیا مزید برآں متقیوں کے امام اور امام الناس کے جلیل القدر عہدے بھی آپکو ہی عنایت فرمادیے۔سبحان اللہ کیا عظیم اسوۂ عطا کیا گیا آپکو۔ گویا آپ کے اوصاف اس قدر بلند تھے کہ آپ فردِ واحد ہونے کے باوجود

،یعنی نہ آپکی بڑی تعداد میں امت تھی اور نہ ہی آپکو ریاست وسلطنت کی طاقت ملی ۔بات صرف یہ تھی کے اللہ کو اوصاف حمیدہ اسقدر پسند آئے کہ آپکی تنہا ذات کو ملت ابراہیم قرار دے دیا

ترجمہ:۔"واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو" (سورہ النحل 120)۔قرآن کریم جہاں بھی ابراہیم کا تذکرہ فرماتا ہے وہاں آپ کی دو خصوصیات کا بار بار تکرار کرتا ہے ایک تو حنیف یعنی یکسو اور ہر طرف سے رخ موڑ کر صرف اللہ کی طرف یعنی تبتـل الیہ تبتیلا کا عملی نمونہ بن گئے اور دوسری صفت کا تکرار ہمیں اس انداز میں ملتا ہے یعنی وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ایسا کیوں کہا جا رہا ہے حالانکہ انبیاء اور رسول تو شرک ہرگز نہیں کر سکتے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی صفات اسقدر بلند اور غیر معمولی ہوتی ہیں کہ ان کیلئے زبان اور گرامر کے الفاظ موزوں اظہارِ صفت بیان کی جاتی ہے جیسے انگلش میں انتہائی ایمان دار کو صرف (Honest) کہنے کی بجائے (Dead Honest) کہا جاتا ہے Dead کا لفظ اپنے معنی میں منفی لیکن اظہار صفت کو درست بیان کرتا ہے ۔ایسے ہی عربی میں بلکہ قرآن میں آنحضورﷺ کو 'حریص' کہا گیا حالانکہ اس لفظ کا مفہوم منفی ہے لیکن اظہار صفت یعنی آپﷺ اپنی امت پر اسقدر شفیق اور رحیم ہیں وہ عام سادہ الفاظ میں بیان نہیں ہوتی ۔اسی طرح اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام توحید باری تعالی اور محبت الٰہی میں اسقدر بلند مقام پر تھے کہ اسکے لیے ایک منفی لفظ کو استعمال میں لایا گیا ۔انہی اوصاف حمیدہ کی بدولت اللہ نے آپکی طرز فکر اور طرز زندگی اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں اور معاملات کو شعائر اللہ اور عید الاضحیٰ پر قربانی کو تمام امت رسولﷺ پر روز قیامت تک جاری فرما دیا۔سبحان اللہ کس قدر نعمتوں سے آپکو سرفراز کر دیا گیا ۔بے شک "اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو گن نہ سکو گے"۔

متلاشی حق انسان جب اس دنیا میں شعور کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوالات ضرور اٹھتے ہیں کہ مجھے پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور اس پروردگار سے میرا کیا رشتہ و تعلق ہے؟ اور اس سے کس طرح رابطہ ممکن ہے؟ اور اس کائنات میں میری کیا حیثیت ہے؟ اور

یہ کہ زندگی موت اور بعد الموت یعنی آخرت کی زندگی کی کیا حقیقت ہے؟ اگر ہم قرآنی آیات کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تلاش و جستجو سے بھرپور تمام زندگی ہمیں انہی مذکورہ بالا سوالات کا تجرباتی جواب مہیا کرتی ہے۔

اس ضمن میں ہم تین واقعات، قرآنی آیات سے تحریر کرتے ہیں جن سے آپ علیہ السلام کا انفس و آفاق میں غور و تفکر کی پختہ عادت کا ہمیں معلوم ہوتا ہے جن کی بدولت آپ علیہ السلام حق کی تلاش میں کامیاب ہوئے اور یقین کی دولت پائی۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 260 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور وہ واقعہ بھی پیشِ نظر رہے جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا میرے مالک، مجھے دکھا دے تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے"۔ فرمایا: "تو ایمان نہیں رکھتا؟"۔ اس نے عرض کیا: "ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے"۔

پھر آپ کو وہ طریقہ سکھایا کہ چار پرندوں کو خود سے مانوس کرلیں اور انکا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ کر انکو پکاریں تو وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔

اسی طرح دوسری مثال سورہ انعام کی آیات نمبر 79-75 میں بیان کی گئی ہے:

"ابراہیم علیہ السلام کو ہم اسی طرح زمین و آسمان کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، کہا "یہ میرا رب ہے" پھر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں، پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا: "یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے" مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم علیہ السلام پکار اٹھے۔ "اے برادران قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کرلیا جس نے زمین اور

آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کیلئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ کس طرح ایک سلیم الفطرت انسان جس نے اپنے اردگرد شرک کا آلودہ ماحول دیکھا پھر آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر صحیح طریقے سے غور وفکر کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اور جب آپ علیہ السلام نے بادشاہ نمرود کو اس کے دربار میں اسی غور وتفکر کی بدولت لاجواب کر دیا۔سورہ بقرہ آیت نمبر 258 ترجمہ: "کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے، اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ "میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے تو اس نے جواب دیا۔" زندگی اور موت میں دیتا ہوں"۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا "اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا"۔ یہ سن کر وہ منکر حق حیران وششدر رہ گیا اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

آپ علیہ السلام ہر کڑی آزمائش سے گزارے گئے۔ "اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اترے"

(البقرہ آیت 124)

آپ علیہ السلام کی اللہ رب العالمین کیلئے ایثار وقربانی اور تسلیم و رضا سے متعلق کیا لکھا جائے۔ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے پہلے بڑھاپے کی عمر تک اولاد کی محرومی کے باوجود اللہ کی رضا پر سر تسلیم خم کیا اور جب اولاد نصیب ہوئی تو اسے بھی اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، پھر آگ میں گرائے جانے کے واقعہ میں بھی اللہ ہی پر کامل بھروسہ رکھا مختصراً یہ کہ زندگی بھر جو بھی تکلیف، پریشانی، بیماری پیش آئی ہر معاملہ میں آپ علیہ السلام نے رب تعالیٰ ہی کی طرف رجوع فرمایا، آپ علیہ السلام اللہ کی محبت میں اسقدر رنگے ہوئے تھے کہ

اس آیت مبارکہ کی مانند طرزِ حیات بن چکی تھی:

" کہہ دو بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا صرف اللہ رب العالمین کیلئے ہے"۔

آپ کی کمال بندگی کے سبب اللہ نے آپ کو بہت ہی خوب بندہ (ابراہیم علیہ السلام) فرمایا تھا تو کہیں یہ منیب، خلیل، امام الناس، حلیم اور شاکر بندے کے طور پر یاد کیا جارہا ہے تو کہیں تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ:

"اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام جہاں عبادت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو"۔ (سورہ البقرہ 125)

دورِ حاضر میں جس طرح طاغوتی اور مادہ پرست گروہ مسلمانوں کے خلاف جو چالیں اور ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں ان سے بچنے کا امت کے پاس سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ وہ اسوہ ابراہیم علیہ السلام کی جانب پلٹ جائے۔ اگر ہم اسوہ ابراہیم علیہ السلام پر عمل کرنا شروع کردیں تو یہ تعلیم ایک مسلمان میں ایمان اور یقین کی شمع روشن کردے گی جس سے نہ صرف وہ شخص اپنی ذات میں امن و سلامتی کا پیکر اور مبلغ بن کر اٹھے گا بلکہ اس کا اثر اس کے خاندان سے پھیلتا ہوا پورے معاشرے تک وسیع ہوجائے گا۔ ان فتنوں سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ ہم اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی پناہ میں آجائیں ۔اب آخر میں آپ علیہ السلام کی وہ قرآنی دعائیں جو آپ علیہ السلام نے تمام مسلمین بالخصوص امت رسول ﷺ کیلئے فرمائیں تحریر کرتے ہیں ۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے جاتے تھے۔ "اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھا، جو انہیں تیری آیات سنائے ، ان کو کتاب اور حکمت کی

تعلیم دے اور انکی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے"۔(سورہ البقرہ 135-127)

اب کون ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے نفرت کرے؟ اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے جس نے خود کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا ہو؟۔

ابراہیم علیہ السلام تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کیلئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا "میں مالک کائنات کا "مسلم" ہو گیا۔اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسکی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔اس نے کہا تھا کہ میرے بچو، اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: "بچو، میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟"۔ ان سب نے جواب دیا "ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام نے خدا مانا ہے۔اور ہم اسی کے مسلم ہیں"۔وہ کچھ لوگ تھے، جو گزر گئے، جو کچھ انہوں نے کمایا، وہ ان کیلئے ہے اور جو کچھ ہم کمائیں گے وہ ہمارے لئے ہے، ہم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔یہودی کہتے ہیں: یہودی ہو جاؤ تو راہ راست پاؤ گے۔عیسائی کہتے ہیں: عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ان سے کہو نہیں بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے"۔

حیاتِ اقوام

(عبدالحکیم۔کراچی)

اللہ تعالٰی نے قرآن کریم کی سورہ التین میں ارشاد فرمایا۔ ''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔'' ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالٰی نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون احسن اعمال بجالاتا ہے۔ اور اس کی رہنمائی کے لیے کتاب نازل فرمائی ہے۔ انسانی حیات کی تخلیق اس کائنات کا اہم ترین واقعہ ہے۔

اور اس کی بقاء کی خاطر اپنی قدرت کاملہ سے ایسے اسباب پیدا فرمائے ہیں کہ عقل ان کے ادراک سے عاجز ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اس کے علم کی وسعت کے سامنے فرشتوں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالٰی کی عطا کردہ نعمتوں کو سمجھے۔ اور ان کی روشنی میں اپنی زندگی کے شب و روز سنوارے۔ زندگی کی شکل میں اللہ تعالٰی کی طرف سے دی گئی نعمت کی تعمیر و تشکیل کی تین اقسام ہیں۔ جن کی بہترین نگہبانی اور تربیت کے ذریعے انسان خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ احسن تقویم کے مرتبے پر فائز ہوسکتا ہے۔ جسدِ انسانی بظاہر تو ایک مادی جسم نظر آتا ہے۔ لیکن اس حیات کے درحقیقت تین الگ الگ پہلو او رحیات ہیں۔

(1) جسدی حیات

(2) شعوری حیات

(3) روحی حیات

جسدی حیات:

سب سے نمایاں پہلو اور جہت حیات جسدی ہے۔ جو ہر کسی کو چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ جسدی حیات انسان کی پیدائش اور معاشی دائرہ کار، نگہداشت، دیکھ بھال۔ پرورش، اسکی معاشرتی ازدواجی زندگی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ تمام امور درجہ بدرجہ تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ تو کوئی بزنس میں چلا جاتا ہے۔ تو کوئی دوسرے پروفیشن اختیار کرتے ہوئے ڈاکٹر۔ انجینئر۔ پروفیسر اور استاد، وکیل اور جج بن کر اپنی شناخت قائم کرتا ہے۔ یہ ساری ترقی گھر بار، لباس روزگار یہ تمام امور اس کی جلدی حیات سے متعلق ہیں۔ اسے ہم جسدی حیات کہتے ہیں

شعوری حیات:

جسدی حیات کے بالمقابل انسانی جسم میں ایک اور حیات بھی نمو پاتی ہے جسے شعوری حیات کہتے ہیں۔ ہماری شعوری زندگی جسدی حیات سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں انسان علمی زندگی گزارتا ہے مطالعہ کرتا ہے مختلف تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹی میں جا کر مختلف ڈگریاں حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ تجربہ جو سالہا سال کی زندگی گزارنے کے بعد حاصل کرتا ہے۔ یہ سب ملکر اس کی شعوری حیات کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ حیات انسان کی دوسری قسم ہے۔

روحی حیات:

حیات انسانی کا تیسرا پہلو روحی حیات ہے۔ جس کا تعلق بظاہر انسان کی روح سے ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے منسلک ہوتا ہے۔ جو ہمارا خالق اور مالک ہے۔ حیات انسانی کا یہ پہلو اخلاقیات پر مشتمل ہے۔ جس میں اخلاقی زندگی اور مذہبی زندگی شامل ہے جو درست سمت کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ زندگی کیسے گزارے؟ اپنے اخلاق کیسے سنوارے؟ اپنی عادات و اطوار کیسی بنائے؟ تمام منکرات کو چھوڑ کر حسنات کو اختیار کرے۔ جس کا ذکر کتاب مبین میں کیا گیا ہے یہ تمام امور انسان کی اخلاقی زندگی سے ہیں۔ اس کا تعلق انسان کی روحی حیات سے ہے۔

گویا جسم تو ایک ہے مگر اس میں تین قسم کی زندگیاں موجزن ہیں اور تینوں قسم کی زندگیوں کی ضرورتیں اور خوراک مختلف ہے۔ کسی ایک زندگی کی خوراک دوسری زندگی کے کام نہیں آتی۔ مثال کے طور پر جسدی زندگی کی ضرورت محنت کرنا، کاروبار کرنا، ملازمت کرنا، گھربار بنانا ہے۔ جس کے نتیجے میں جسدی حیات ہی مضبوط ہوگی۔ جبکہ شعوری حیات اور روحی حیات کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح شعوری حیات کی خوراک علم و تجربہ حاصل کرنا ہے جس کے نتیجے میں وہ پروان چڑھتی ہے۔

جس طرح پہلی دونوں قسم کی حیات کو بیٹھے بٹھائے کچھ نہیں ملتا اسی طرح روحی حیات کو بھی بیٹھے بیٹھائے کچھ نہیں ملتا۔ اس کو اچھے اخلاق سے دین داری سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے، حیاداری کے ساتھ اور اپنی زندگی کو ڈسپلن کے ساتھ بہتر راستے پر چلانے سے خوراک میسر آتی ہے۔ تو یہ تینوں حیات بیک وقت پروان چڑھتی ہیں تو انسان پھر انسان نہیں رہتا بلکہ انسان کامل بن جاتا ہے۔ عموماً جب ایک حیات نمو پاتی ہے اور بقیہ دو نظر انداز ہوتی رہتی ہیں تو انسان جتنی بھی ترقی کر لے وہ کامل نہیں بن سکتی۔ اقبال کا مرد مومن تب ہی بن سکتا ہے، جب بیک وقت تینوں طرح کی زندگیوں پر یکساں توجہ سے محنت کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم بیک وقت تینوں پہلوؤں کی برابر نشوونما اور تربیت پر کم توجہ دیتے ہیں۔

اچھا انسان کیسے بنتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھا انسان کیسے بنا جائے؟ اس کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ تینوں پہلوؤں پر برابر توجہ دی جائے اور انہیں نکھارا جائے کیونکہ تینوں قسم کی حیات اس وقت اصلاح طلب ہیں اور انسان ہر پہلو کو اس حد تک نبھا رہا ہے جہاں تک اس کی معاشرتی، معاشی، سیاسی تمدنی اور مذہبی ضرورت پوری ہو جائے۔ انسان کو چاہیے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ظاہری اور باطنی حواس کو بروئے کار لا کر اپنے رب اور اس کی ہدایت کو

پہچانے اوراس کے رسول ﷺ کا اتباع کر کے دنیا میں بھی امن وامان اورعزت وآبرو کی زندگی گزارے اورآخرت میں بھی بلند مرتبہ پائے۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ "تعمیر ملت" میں فرماتے ہیں۔تمام علم وتربیت،فضل وکمال زہد وتقویٰ،عبادات اور ریاضت،ولایت اور معرفت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ آدمی حسن اخلاق کا پتلا اور رحم وکرم کا مجسمہ ہو جب تک یہ نہیں ہوگا ہم کتنی ہی نمازیں پڑھیں،روزے رکھیں،حج کریں،زکوٰۃ دیں ملت اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہیں کرسکتی۔اہل پاکستان کے لئے اپنا محاسبہ کرنا اور بھی ضروری ہے کیونکہ ہم نے یہ ملک اس دعویٰ کے ساتھ حاصل کیا تھا کہ ہم اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اورقرآن کا آئین نافذ کریں گے۔جولوگ اس زندگی ہی میں زندگی کی حقیقت جان لیتے ہیں وہ حیات ارضی کا مختصر ساعرصہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر امانت کی سپردگی اور ذمہ داری کو نبھا کر سرخرو ہونے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور دنیا کے دلفریب مناظر مادی لذات اورنفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں بھاگتے اور نہ ہی شیطان مردود کے دھوکے میں آکر اپنے رب سے کئے گئے عہد کو پس پشت ڈالتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے دین کا سارا نظام انسان کے استحکام کے لئے ہے تاکہ وہ اسلام میں داخل ہوکر راستے کی تمام رکاوٹوں کو عبور کرسکے اورحریم کبریا تک پہنچ جائے۔مومن کو چاہیے کہ شیطان کے مکروفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا رہے کہ وہی ہمارا سہارا ہے اوراللہ کا ذکر کثرت سے کرے اورراضی برضا رہے کہ یہی ہمارا قلعہ ہے۔اتباع نفس اور ہواوہوس سے بچے کہ اسی کے راستے ہی سے شیطان دلوں میں داخل ہوتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم

(غلام مرتضیٰ)

قبلہ انصاری صاحب کی پہلی ملاقات جو آپ کے پیر و مرشد بابا جی کریم الدینؒ سے ہوئی جس کے نتیجہ میں آپ بیعت ہوئے وہ تعلیم مشتمل تھی صرف دو باتوں پر ایک تزکیہ اخلاق اور دوسری و تبتل الیہ تبتیلا (سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ)

تزکیہ اخلاق:

جب قبلہ انصاری صاحبؒ نے تزکیہ اخلاق کے بارے میں تفصیل پوچھی تو بابا کریم الدینؒ نے درج ذیل پانچ سنہری باتیں بتائیں:

پہلی بات یہ کہ پانچ وقت کی نماز کے پابند رہو۔

دوسری بات یہ کہ ذکر جتنا بھی ہو سکے کرو۔ ذکر سے مراد یہ ہے کہ زبان سے اللہ اللہ کہو اور دل میں اس کی یاد کو مستقل قائم کرلو۔

تیسری بات یہ کہ دنیا کے تمام حقوق خوشی سے پوری طرح ادا کرو کراہت اور مجبوری سمجھ کر نہیں بلکہ خوشی سے ادا کرو انہی میں فرائض منصبی بھی شامل ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ طبیعت میں عاجزی اور فروتنی پیدا کرو۔ اپنے آپ کو کسی سے افضل اور کسی کو اپنے سے کم تر یا ذلیل نہ سمجھو۔

پانچویں بات یہ ہے کہ خلق خدا سے محبت کرو اور کسی کو اپنی کسی حرکت سے رنج نہ پہنچاؤ۔

و تبتل الیہ تبتیلا (سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ)

مولانا کریم الدینؒ نے فرمایا کہ تصوف کی اصطلاح میں اس کو ترک ماسویٰ اللہ کہتے ہیں

اگر ہم حضور اکرم ﷺ کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو آپ ﷺ نے یہ کبھی نہیں کیا کہ دنیا سے بالکل بے تعلق ہو کر راہبانہ زندگی بسر کی ہو جیسا کہ کچھ بزرگوں نے اس کا مطلب یہ لیا اور دنیا کو چھوڑ کر بالکل راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔ آپ ﷺ نے دنیا کے کام بھی کئے یعنی کہ آپ نے تجارت کی، مزدوری کی، بادشاہت کی۔ آپ ﷺ ایک بہترین دوست، بہترین شوہر، بہترین باپ تھے اور اعلیٰ درجے کے قانون ساز، حاکم، جج اور جرنیل تھے لیکن آپ ﷺ کا دلی تعلق سوائے اللہ کے اور کسی چیز کے ساتھ نہ تھا۔ آپ ﷺ کبھی ایک سیکنڈ کے لئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوئے تھے۔ اسی کا نام ہے "ترک ماسویٰ اللہ"۔

قبلہ انصاری صاحب نے اپنے پیرومرشد کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے تصوف میں جو مقام حاصل کیا یہ اللہ کا خاص کرم تھا جو انہیں نصیب ہوا۔ آپ نے جو کچھ حاصل کیا وہ بغیر کسی تردد کے اور کھلے دل سے ہم لوگوں تک پہنچایا۔ اس کی واضح مثال طریقت تو حیدیہ، تعمیر ملت اور آپ کے سالانہ اجتماعات میں کہے گئے خطبات ہیں۔ آپ نے کوئی چیز چھپائی نہیں بلکہ نجی محفلوں اور خطوط کے جوابات میں بھائیوں کی تشنگی کو دور کیا۔ تصوف کے بارے میں مولانا کریم الدینؒ نے فرمایا کہ صوفیوں اور فقیروں کی قسمیں تو ہزاروں ہیں لیکن تصوف کی صرف دو قسمیں ہیں۔

1- صحوی تصوف (تصوف بیدار)

2- سکری تصوف (تصوف خفتہ)

آپ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے اور اسی کی بدولت تصوف بیدار صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ بیدار صوفی کشف و کرامات کے علاوہ اپنے علم اور فراست کی روشنی میں ایسا لائحہ عمل پیش کرتا ہے کہ اگر قوم اس پر عمل کرے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی اور اس قوم کی دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

تصوف سکری یعنی خفتہ تصوف کے بارے میں مولانا کریم الدین فرماتے ہیں کہ

یہ انسانیت کی افیم ہے خفتہ صوفی کو نہ تو خدا کا پتہ ہوتا ہے اور نہ اس کی صفات کا، نہ اشیاء کی معرفت کا علم اور نہ ہی انسانی فطرت سے واقفیت۔ یہ لوگ ہر وقت روحانی کیف واستغراق میں مدہوش ہوتے ہیں جب ان کو اپنا ہی علم نہ ہو تو دوسروں کی اصلاح کیسے کریں گے۔

یہ وہ تعلیم تھی جو مولانا کریم الدینؒ نے قبلہ انصاری صاحب کو دی اور قبلہ انصاری صاحب نے ہمیں یہ بتایا کہ تصوف میں میرا رنگ بھی یہی ہے یعنی کہ میں آپ کو بیدار صوفی بنانا چاہتا ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ میری اس تعلیم پر عمل کریں گے وہ دین اور دنیا میں سرخرو ہونگے۔

آپ فرماتے ہیں کہ تصوف خفتہ قوم کے لئے موت کا پیغام ہے یہ تصوف آدمی کو سست، کاہل بے کار اور نکما بناتا ہے۔ اس لئے روحانی نشہ میں بے کار مت پڑے رہو۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہیں تمہاری محنتوں کا صلہ عطاء کردے اور روحانی طاقت تمہارے قلوب میں پیدا ہو جائے تو اس کے نشہ سے مغلوب ہونے کی بجائے کام میں لگ جاؤ اور زیادہ جوش اور شوق سے عمل کرو اور کرتے رہو۔ خلق خدا کی خدمت کرو سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ مایوس کبھی نہ ہو خواہ کتنی ہی مصیبتیں پڑیں ہمت نہ ہارو دل میں خدا کو بسائے رکھو اور ہاتھ پاؤں کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ اسی میں کامیابی ہے اور یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو کہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمائیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں حصول حکمت کے لئے انصاری صاحبؒ نے باقاعدہ ایک نصاب پیش کیا تاکہ موجودہ زمانہ کے لوگ آسانی سے یہ علم حاصل کرسکیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی ولی اللہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر ایسی بات کہے جو قرآن کے خلاف ہو تو اس بات کو ماننے سے فوراً انکار کر دینا چاہیے۔ ایک جگہ آپ نے بڑے سادہ الفاظ میں شریعت طریقت اور حقیقت کی تعریف بیان فرمائی لکھتے ہیں کہ۔

شریعت میں بنیادی چیز عقائد ہیں اور وہ سب کے سب غیب سے متعلق ہیں ان غیبی حقائق کی معرفت حاصل کرنے کے طریقے جو آپ سرکار دو عالمﷺ نے تلقین فرمائے ان کا نام

طریقت (یعنی راستہ) ہے اوران پرعمل کرنے کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام حقیقت ہے جن طریقوں سے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکمت کی تعلیم دی وہ اس قدر آسان ہیں جیسا کہ خود دین اسلام ۔اس تعلیم کا مقصد بھوک اور پیاس سے نفس کو ہلاک کرنا ہے، نہ متواتر روزے رکھنایا فاقہ کرنا، نہ ہندوؤں کی طرح ترک دنیا کر کے جنگلوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین ہونا، نہ صوف کے کپڑے پہننایا ننگا رہنایا الٹے لٹک کر عبادت کرنا۔

ان پرعمل کرنے سے برسوں کا راستہ ہفتوں اور مہینوں کا سلوک دنوں میں طے ہوتا ہے اور روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے جو دوسرے طریقوں سے حاصل نہیں ہوسکتی یعنی قرب اور مشاہدہ ذات باری تعالیٰ بشرطیکہ آپ کی طلب صادق ہو اور بیعت کسی ایسے بزرگ سے ہو جو حکمت سکھا سکے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں حصولِ حکمت کے ایسے طریقے وضع کئے گئے جو کہ دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔جناب اشفاق صاحب فرماتے ہیں "دورِ جدید کے صوفیوں میں خواجہ کا مقام اس اعتبار سے بلند ہے کہ انہوں نے تصوف کے ڈسپلن کو عملی صورت میں پیش کرکے ان آرزومندوں کے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں جو باطن کے سفر کے رہرو بننے کے خواہشمند ہیں "۔

1-ذکر: ذکر میں پاس انفاس، نفی اثبات، نماز فرض اور نوافل، تلاوت قرآن پاک شامل ہیں۔

2-مجاہدہ: مجاہدہ کے لئے ترک ماسویٰ اللہ، تسلیم و رضا اور غصہ او نفرت کی نفی کرنا شامل ہیں۔

3-تزکیہ اخلاق: عالمگیر محبت اور صداقت یعنی حق کو اختیار کرنا۔

4-عرفان: تفکر یعنی زمین اور آسمان میں قدرت کی نشانیوں پر غور کرنا۔

5-مقصودِ اعظم: خدمت خلق (انفرادی اور اجتماعی)

میرے بھائیو! یہ وہ پانچ باتیں ہیں جن پرعمل کرنے کے لئے ہمیں بار ہا کہا گیا۔

-1　سب سے پہلے اگر سالک نے اوپر بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا تو اس کی طبیعت میں

ایک اطمینان اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔

2- نیکیوں کی طرف طبیعت زیادہ ہو جاتی ہے اور برائیوں سے بچنے کا ارادہ مستقل ہو جاتا ہے۔

3- عبادت میں دل لگتا ہے۔ذکر میں مزہ آتا ہے۔

4- کسی کسی وقت دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے جس سے بڑا کیف اور سرور محسوس ہوتا ہے اور ہر حرکت قلب پر بلا ارادہ پاس انفاس جاری ہو جاتا ہے۔

5- دل میں ہلکا ہلکا سوز یا حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ کیف وسرور بڑھتے بڑھتے نشہ سرمستی تک پہنچ جاتا ہے اس کیفیت کو جذب کہتے ہیں۔

6- جو لوگ نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہوں ان کے لطائف قلب، روح ،سر، خفی ،اخفاو غیرہ جاری ہو جاتے ہیں یعنی سالک کو ان کا نور نظر آنے لگتا ہے مثلاً زرد ،سرخ ،سبز ،سفید اور سیاہ وغیرہ۔

7- سچے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔کشف القبور ہونے لگتا ہے اور روحیں نظر آنے لگتی ہیں

8- کشف وکرامات کی طاقت آجاتی ہے۔

9- سب سے ضروری اور اہم چیز جو حاصل ہوتی ہے وہ ہے تزکیہ اخلاق ،اگر سالک میں صحیح اخلاق حسنہ پیدا نہ ہوں تو جذب کشف وکرامات وغیرہ بجائے فائدہ کے نقصان کا موجب بنتے ہیں۔

10- جب سالک کے اعمال مقبول ہو جاتے ہیں تو اس کو کوئی ایسی نشانی دکھائی جاتی ہے جس سے اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مساعی کو قبول فرمایا ہے۔اور مجھے اولیاء کے حلقہ میں شامل کر لیا ہے۔

یہ جو سب کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ جس کو چاہے جیسے چاہے عنایت فرماتا ہے ہمیں جو تعلیم دی گئی ہے وہ یہ کہ ہم پوری محنت کوشش کے ساتھ عمل کریں۔اللہ کی دی ہوئی عنایات پر اترانا نہیں چاہیے بلکہ عاجزی اختیار کرنا چاہیے۔ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے یہ عنایات ہم سے چھین نہ لی جائیں اور پھر ہم کورے کے کورے رہ جائیں گے۔

سنہری یادیں

(عزیز عارف)

زیرِنظر سطور میں قبلہ انصاری صاحبؒ کے ساتھ نجی محافل اور ان کی کتب سے اکتسابات بیان کئے گئے ہیں۔

ایک صوفی کی راہ قرآن پاک کی زبان میں صراط مستقیم ہے یعنی ان لوگوں کی حسین راہ جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا انعام واکرام کیا ہے وہی راہ جس پر چل کر ان کو حقیقی کامیابی نصیب ہوگی۔

آپ عمل اور تسلسل کے ساتھ عمل کرنے اور عملی زندگی میں بھرپور حصہ لینے کے قائل تھے۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے نزدیک طریقت وشریعت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ فرماتے تھے یہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔صرف نام کا فرق ہے۔آپ فرماتے تھے کہ سالک راہ خدا شریعت پر قائم رہ کر "دیدار الٰہی" یا "دیدار دوست" کی شدید طلب وجستجو میں اپنی بھرپور توجہ تزکیہ نفس پر مرکوز کر دیتا ہے جس سے اس کا قلب منور ہو جاتا ہے اور یہی تزکیہ نفس بالآخر تعمیر ملت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

آپ طریقت کو اصحاب صفہ کا مسلک خیال فرماتے تھے۔جو بیک وقت طالبان علم و حکمت دائم الصائم، قائم الیل اور ان تھک مجاہد تھے۔وہ سب دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس کی محبت میں مبتلا نہ تھے بلکہ انہیں صرف اور صرف اللہ اور اپنے ہادی ومرشد اعظم وآخر، جناب رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں سے بلکہ بندگان خدا سے محبت تھی۔

ذکر خدا اور تلاوت قرآن مجید وظیفہ حیات تھا اور وہ تبتل الیہ تبتیلا کی عملی تصویر تھے

ضرورت پڑتی تو وہ میدان جہاد میں کفار و مشرکین کے سامنے شمشیر بدست نظر آتے تھے اور شہادت ان کا مقصود اول ہوتا تھا۔میدانِ وفا میں وہ سر بکفن نظر آتے تھے۔

قبلہ انصاری صاحبؒ فرماتے تھے اور آپ نے لکھا بھی ہے کہ آپ اپنے سلسلے کے شیخ حضرت مجدد الف ثانی کی طرز پر اولیاء اللہ کی ایک جماعت تیار کرنے میں لگے رہے اور آج جب کہ میری جماعت میں سینکڑوں اولیاء اللہ تیار ہو چکے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو انسانیت کی خدمت کا یہ فریضہ انجام دینے کے لئے میدان عمل میں اتارا جائے۔ یہ آپ نے ستر کی دہائی میں ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت پاکستان ایئر فورس کے ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر واقع کورنگی کریک کراچی میں سلسلہ توحیدیہ کا درخشاں ستارہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کی صورت میں موجود تھا۔ جنہوں نے 1972ء سے لے کر 978 تک ہزاروں طالبان راہ سلوک کو تعلیمات توحیدیہ سے متعارف کروانے میں اپنا کردار بطریق احسن ادا فرمایا تھا۔

قبلہ ڈار صاحب "ٹیکہ لگانے" کی اصطلاح استعمال فرماتے تھے جس کا معنی توجہ اور فیض سے طالب کے دل کو موم کر لینا ہوتا تھا۔ آپ نہایت موثر طور پر تعلیمات بیان فرماتے تھے اور ساتھ روحانی ٹیکے بھی لگاتے جاتے تھے۔ آپ قبلہ انصاری صاحب کے نوعمر ترین اور سب سے کم عرصے میں مجاز بنائے جانے والوں میں تھے وہ ایسی کیا خاص بات تھی جس نے قبلہ ڈار صاحب کو محض ڈیڑھ سال کے عرصے میں آپ کا روحانی مجاز بنا دیا تھا۔

آپ یعنی قبلہ محمد صدیق ڈارؒ فرماتے تھے کہ جب تعلیم کی سمجھ آ گئی تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور مسلسل تعلیم پر عمل کیا کبھی ذاتی ذکر نفی اثبات میں ناغہ نہیں کیا۔ ایک مرتبہ آپ کراچی میں اپنے گھر میں تعلیمات ارشاد فرما رہے تھے کہ فرمانے لگے کہ ذکر نفی اثبات میں ناغہ کی مثال ایسے ہے کہ آپ ریل میں کوئٹہ جا رہے ہیں۔ سبی جا کے چڑھائی کے پیش نظر ریل کو دو انجن لگائے جاتے ہیں ایک دن نفی اثبات کے ناغہ کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے چڑھتی ریل کا ایک انجن اتار دیا اب ریل گاڑی ریورس ہونا شروع ہو جائے گی اور کراچی نہیں تو حیدر آباد تک تو آ ہی جائے گی

اگر زیادہ وقت نہ ہوتو دس پندرہ ضربیں ہی لگالیں اس سے گاڑی کو بریک لگ جائے گی اور تنزلی کا سفر رک جائے گا۔

عرض یہ ہے کہ شدید طلب دیدار دوست، انتھک اور مسلسل محنت ومجاہدہ اور تزکیہ اخلاق ہی غصہ اور نفرت کی نفی عالمگیر محبت وصداقت اختیار کرنا اور راضی برضائے خدا رہنا اور جب اللہ کرم فرما کے اپنا قرب و دیدار عطاء فرمادے تو اس کو مخلوقِ خدا کی بہتری اور فلاح وخدمت کے لئے صرف کردینا ہی مقصودِ حیات ہے۔ اور یہ سب جہدِ مسلسل کے علاوہ سب سے بڑی چیز جو ممد و معاون ہوتی ہے وہ مرشد کا فیض اور ان کی صحبت ہے۔ یک ساعت بہ صحبت اولیاء بہتر است صد سالہ طاعت بے ریا۔ کامیاب ہے وہ مرید جو ذکر کرتا ہے اور جس کو مرشد کا فیض حاصل ہے یہ نگرانی، پناہ، توجہ یا فیض ہی سب کچھ ہے اور ملتا جب ہے جب عمل پیہم و مسلسل ہو۔

دعائے مغفرت

کراچی سے بھائی راؤ محمد فیصل کے نانا رانا عبدالجبار

جو انصاری صاحبؒ سے بیعت تھے اور انہیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ انہوں نے سلسلہ کا مونوگرام ڈیزائن کیا۔

گوجرانوالہ کے بھائی محمد رمضان

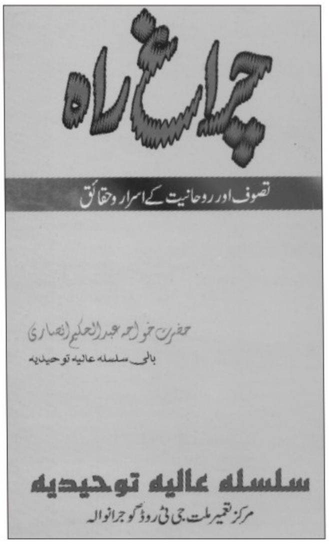
(جو انصاری صاحبؒ کے مرید حاجی امین صاحب مرحوم کے پوتے تھے)

راولپنڈی سے بزرگ بھائی الطاف حسین

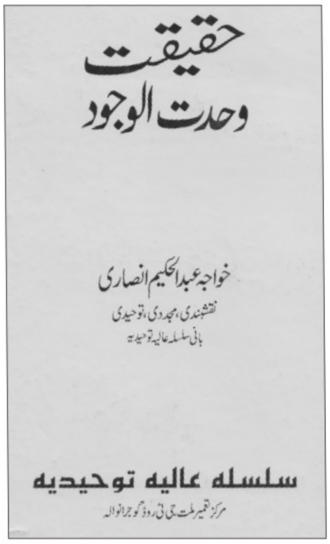
بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

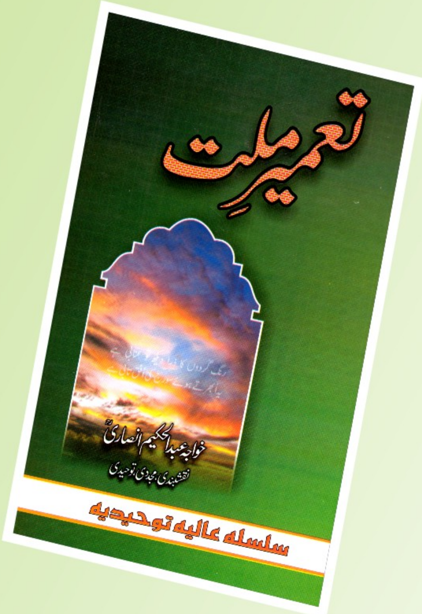


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

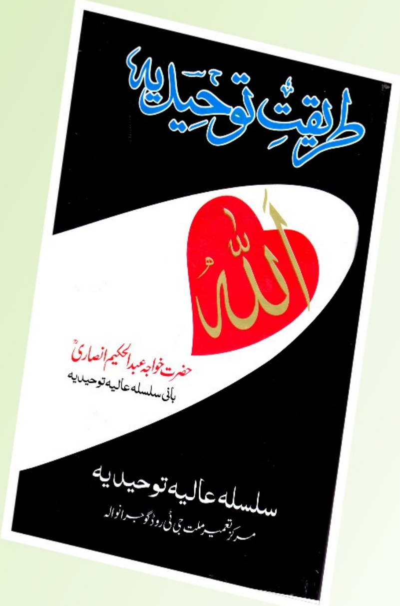


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com